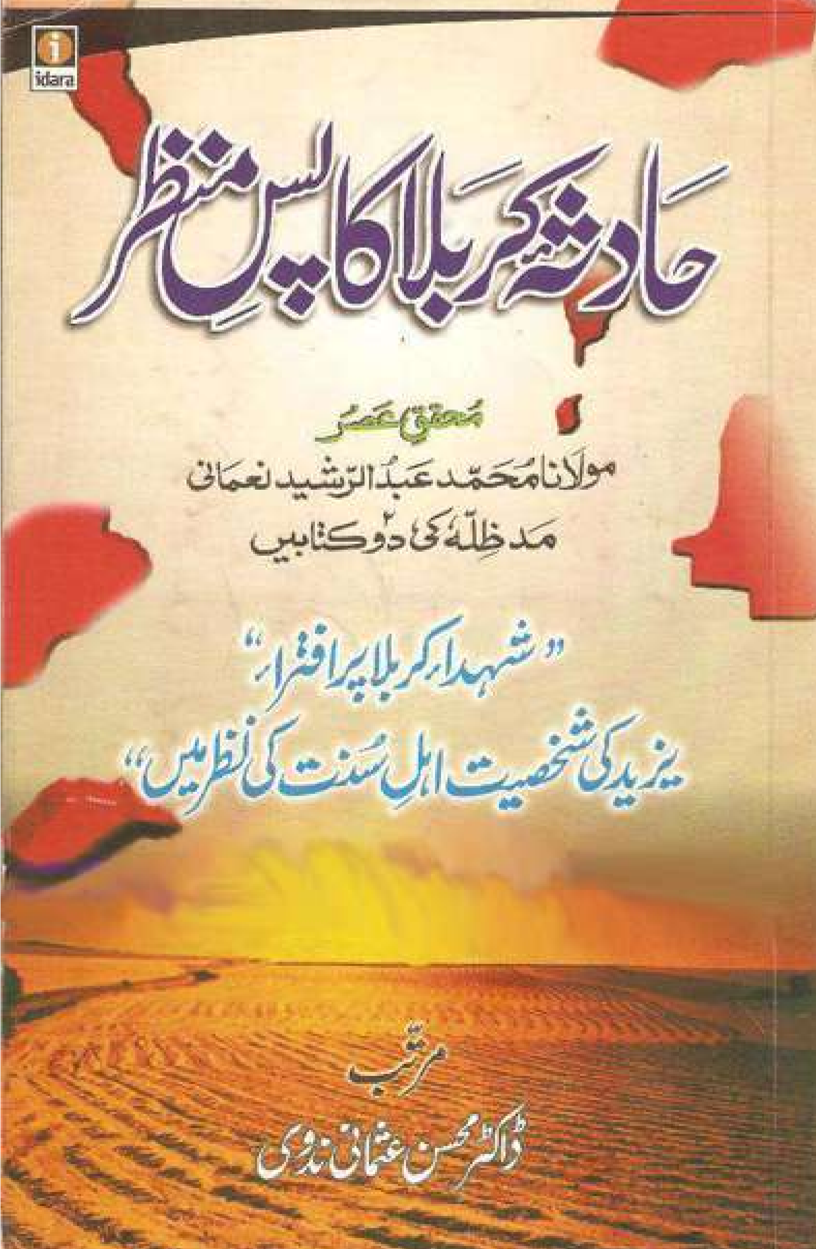

حادثۂ کربلا کا پسِ منظر

محققِ عصر

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی

مدظلہٗ کی دو کتابیں

"شہداء کربلا پر افتراء"

"یزید کی شخصیت اہلِ سنت کی نظر میں"

مرتب

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

اہلِ سنت کی نظر میں اور تاریخ کی شہادتوں کے آئینہ میں

حادثۂ کربلا کا پس منظر

اور

محققِ عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ،
کی دو کتابیں

شہداء کربلا پر افتراء اور یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں

مرتبہ

پروفیسر محسن عثمانی ندوی
استاد جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی
حال صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی

ادارہ اشاعتِ دینیات (پرائیویٹ) لمیٹڈ
IDARA ISHA'AT-E-DINIYAT (P) LTD.

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : حادثۂ کربلا کا پس منظر اور مولانا عبد الرشید
نعمانی کی دو کتابیں شہداء کربلا پر افتراء
اور یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں

مرتب : ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

باہتمام : محمد انس
کتابت : نظام قیصر رانچوی
سن اشاعت : ۲۰۰۱ء
مطبع : ناگس پرنٹنگ پریس۔ دہلی

ISBN 81-7101-386-4

Published by.
IDARA ISHA'AT-E-DINIYAT (P) LTD.
168/2, Jha House, Hazrat Nizamuddin, New Delhi-13
Tel : 6926832, 6926833 Fax: 011-6327787, 4352786
Email: sales@idara.com Website: www.idara.com

در معنی حریت اسلامیه و سر حادثه کربلا

علامہ اقبال

هر که پیمان با هو الموجود بست
گردنش از بند هر معبود رست
مؤمن از عشق است و عشق از مؤمن است
عشق را ناممکن ما ممکن است
عقل سفاک است و او سفاک تر
پاک تر چالاک تر بی باک تر
عقل در پیچاک اسباب و علل
عشق چوگان باز میدان عمل
عشق صید از زور بازو افگند
عقل مکار است و دامی می زند
عقل را سرمایه از بیم و شک است
عشق را عزم و یقین لاینفک است
آن کند تعمیر تا ویران کند
این کند ویران که آبادان کند
عقل چون باد است ارزان در جهان
عشق کمیاب و بهای او گران
عقل محکم از اساس چون و چند
عشق عریان از لباس چون و چند
عقل می گوید که خود را پیش کن
عشق گوید امتحان خویش کن
عقل با غیر آشنا از اکتساب
عشق از فضل است و با خود در حساب
عقل گوید شاد شو آباد شو
عشق گوید بنده شو آزاد شو
عشق را آرام جان حریت است
ناقه اش را ساربان حریت است
آن شنیدستی که هنگام نبرد
عشق با عقل هوس پرور چه کرد
آن امام عاشقان پور بتول
سرو آزادی ز بستان رسول
الله الله بای بسم الله پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر
بهر آن شهزاده خیر الملل
دوش ختم المرسلین نعم الجمل
سرخ رو عشق غیور از خون او
شوخی این مصرع از مضمون او
در میان امت آن کیوان جناب
همچو حرف قل هو الله در کتاب
موسی و فرعون و شبیر و یزید
این دو قوت از حیات آید پدید

زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوۂ خیر الامم
چوں سحابِ قبلہ باراں در قدم
بر زمینِ کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد
بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گردیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر
خود نکردے با چنیں ساماں سفر
دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتعد
دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد
سرِ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود
عزمِ او چوں کوہساراں استوار
پائدار و تند سیر و کامگار
تیغ بہرِ عزتِ دین است و بس
مقصدِ او حفظِ آئین است و بس
ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست
خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد
تیغِ لا چوں از میاں بیروں کشید
از رگِ اربابِ باطل خوں کشید
نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم
ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم
شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت
سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت
تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں
اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں

فہرست کتاب

حرفِ اول (اہلِ سنت کا مسلک) مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

حرفِ دوم (مقدمہ کتاب) ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

● واقعہ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر ●

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

حضرت معاویہؓ (۱۸) یزید کی ولی عہدی کے نقصانات (۲۰) دینی طبقہ کی رائے عامہ (۲۲)
○ خلافتِ راشدہ کے بعد کی خرابیاں (۲۳) اختلاف کی بنیاد (۲۶) حضرت معاویہؓ کا موقف (۲۷)
○ صحابہ کرام کا روکنا بربنائے شفقت (۲۸) حکمت الٰہی کیا تھی (۳۱) اہلِ عزیمت کے لئے
نمونہ اور نظیر (۳۳) ایک بنیادی مسئلہ اور علامہ ابن تیمیہ (۳۵) ظالم حکمرانوں کے خلاف اقدام کے
بارے میں ابن حزم کا موقف (۳۷) فاسق وفاجر حکمران کے خلاف کارروائی کے بارے میں امام غزالی
کا موقف (۴۰) علامہ ابوبکر جصاص کا موقف (۴۲) امام الحرمین کا موقف (۴۳) حضرت عمرؓ کی
حدیث (۴۳) اعتدال کی راہ (۴۵) علامہ ابن حجر عسقلانی کا موقف حسینؓ و یزید کے بارے میں
(۴۷) انعقادِ امامت کا مسئلہ اور اسلام کا اصولِ حکمرانی (۴۸) زشت روئی سے تری آئینہ ہے
رسوا ترا (۵۳) معاویہ بن یزید کی شہادت (۵۶) حضرت عمر بن عبدالعزیز کی شہادت (۵۷)
علامہ ابن تیمیہ کی شہادت (۵۷) وضع الید فی الید کی روایت (۵۸) وتواصوا بالحق پر عمل کا
نمونہ (۵۹) وہ اسپرٹ آج بھی باقی ہے (۶۰) آخر میں ایک بات اور (۶۰) ایک
مرض اور اس کے اسباب (۶۱)

● شہداء کربلا پر افتراء ●

از محقق عصر مولانا محمد عبد الرشید نعمانی

نواصب کون ہیں (۶۵) نواصب کا خاتمہ (۶۷) برصغیر میں ناصبیت کی تحریک (۶۸)
○ مجلس عثمان غنی کا تعارف اور پروگرام (۶۸) خود ساختہ داستان کربلا (۷۱) جھوٹ
کی تنقیح (۷۸) داستان گو کی حساب دانی (۸۲) دوسرے جھوٹ کی تنقیح (۸۴) تیسرے
جھوٹ کی تنقیح (۹۶) ظلم کا انجام (۱۰۳) امویوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا (۱۰۴)
حضرت ابن زبیر پر افترا (۱۰۹) یزید کی برأت کے سلسلے میں داستان سرائی (۱۱۶) وظائف
مقرر کرنے کا افسانہ (۱۱۴) یزید کی جانشینی کی نرالی توجیہہ (۱۱۸) بنی ہاشم پر افتراء (۱۲۵)
حضرت حسینؓ کے بارے میں افسانہ تراشی (۱۲۶) حضرت حسینؓ کو مطعون کرنا (۱۲۹) کتاب کا غلط
حوالہ (۱۳۵) صحابی رسولؐ حضرت سلیمان بن صُردؓ پر طعن (۱۳۶) داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر (۱۳۹)
حضرت علیؓ و حسینؓ کی تحقیر و توہین (۱۴۱) ایک نئی دریافت (۱۴۲) حضرت حسنؓ کے بارے میں
داستان سرائی (۱۴۴) حضرت حسینؓ کی تحقیق (۱۴۶) ضروری تنقیح (۱۴۸) شیعہ مخلصین کون ہیں (۱۵۴)
اہلِ سنت کا عقیدہ (۱۶۱) نواصب تقیہ سے باز آئیں (۱۶۳) یزید کے کرتوت حدیث کی روشنی میں

● یزید کی شخصیت اہلِ سنت کی نظر میں ●

از محقق عصر مولانا محمد عبد الرشید نعمانی

تمہید (۱۶۷) استفتاء کے سوالات (۱۶۹) استفتاء (۱۶۹) استفتاء کا اجمالی جواب (۱۷۵)
اہلِ سنت کا شیوہ (۱۷۵) حضور علیہ السلام کے اصحاب، ازواج اور ذریت کے بارے میں
اچھی رائے رکھنے والا نفاق سے بری ہے (۱۷۵) حضرت فاطمہؓ جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حضرات
حسنینؓ جوانانِ جنت کے (۱۷۶) یزید سے نفرت کرنا ایمان کا مقتضی (۱۷۷) یزید کے بُرے کرتوتوں کی
تفصیل شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے قلم سے (۱۷۸) شاہ ولی اللہ صاحب (۱۷۹) ناصبیوں کے شبہات
کے تفصیلی جوابات۔ پہلے شبہہ کا تفصیلی جواب (۱۸۰) غزوہ قسطنطنیہ میں یزید کی شرکت (۱۸۰) مستفتی
اگر دوسری حدیث پر غور کرتے (۱۸۰) کسی عمل خیر پر بشارت کا مطلب (۱۹۲) کسی شخص کا نام لے کر اسے جنتی کہنا

اور بات ہے اور کسی عمل خیر پر مغفرت کی بشارت دینا الگ چیز ہے (۱۹۳) یزید کا نام لے کر اس کو جنت کی بشارت نہیں دی
گئی (۱۹۳) حافظ ابن کثیر کی تصریح ○ شیعان امویہ کا مذہب (۱۹۳) یزید کا مجاہدین روم کا مذاق
اڑانا (۱۹۵) حضرت معاویہؓ کا بالجبر اس کو جہاد پر روانہ کرنا ○ زمام خلافت سنبھالتے ہی (۱۹۶) "سیدنا یزید"
کے موقف کی شرمناک حاشیہ آرائی (۱۹۶) بالفرض یزید جہاد قسطنطنیہ میں دل سے شریک ہوا تو (۱۹۸) شا
ولی اللہ صاحب کی تصریح ○ ایسے کام کئے جو لعنت کے موجب تھے حدیث میں جن چھ افراد کو لعنتی بتایا گیا ہے ○
مظالم کی تفصیل امام ابن حزم کی زبانی ○ خلاصہ بحث (۱۹۸) یزید جیسے فاسق کی سرکردگی میں بھی جہاد
ہو سکتا ہے (۱۹۹) "مدینہ قیصر" سے حدیث میں قسطنطنیہ نہیں بلکہ "حمص" مراد ہے (۲۰۰) "صحیح بخاری
میں یزید کی مذمت میں حدیثیں (۲۰۱) پہلی حدیث (۲۰۱) حضرت ابو ہریرہ کا دور یزید سے پناہ
مانگنا (۲۰۳) یزید کی مذمت میں "صحیح بخاری" کی دوسری حدیث (۲۰۵) امت کی تباہی قریش کے چند
بے وقوف لونڈوں کے ہاتھوں (۲۰۶) لونڈوں کی حکومت کی کیفیت (۲۰۷) شمر کا اطاعت یزید کے
سلسلہ میں عذر بد (۲۰۷) امت کو تباہ کرنے والے لونڈوں پر یزید سرفہرست ہے (۲۰۹) آنحضرتؐ کی
ہدایت (۲۰۹) صحابہ و تابعین کا اس ہدایت پر عمل (۲۱۰) مروان کا لعنت کرنا (۲۱۲) یزید کے دور میں صحابہ و
تابعین پر مظالم (۲۱۳) تیسری روایت (۲۱۳) حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر کا مروان کو برسر ممبر ٹوکنا (۲۱۵)
حضرت عائشہؓ کا مروان کو جھوٹا کہنا (۲۱۶) مروان کی حضرت عائشہؓ سے سخت کلامی (۲۱۷) حضرت
عبد الرحمٰن بن ابی بکر کا حضرت معاویہؓ کو رقم واپس کر دینا (۲۱۸) یزید کا گورنر مدینہ کو اس لئے معزول کر دینا
کہ اس نے حضرت حسینؓ و حضرت ابن زبیر پر سختی کیوں نہیں کی (۲۱۹) مروان کا گورنر مدینہ کو مشورہ دینا
کہ حضرت حسینؓ و ابن زبیر و ابن عمر اگر بیعت نہ کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے (۲۲۰) حضرت ابو شریحؓ کا
گورنر مدینہ کو حرم الٰہی پر فوج کشی سے منع کرنا (۲۲۰) چوتھی حدیث (۲۲۰) یزیدی گورنر کا حضرت
ابو شریحؓ کے سامنے اپنی علمیت بگھارنا (۲۲۲) اس گورنر کے بارے میں امام ابن حزم کا فیصلہ (۲۲۲)
حضرت ابن زبیر کے خلاف گورنر مدینہ عمرو اشدق کی ہرزہ سرائی (۲۲۳) حضرت ابن زبیر کے فضائل (۲۲۶)
یزیدی گورنر عمرو اشدق کی مذمت حدیث میں (۲۳۱) کربلا کے دن (۲۳۲) پانچویں حدیث (۲۳۲)
قرابت رسول اللہ کا پاس و لحاظ (۲۳۲) ابن زیاد بدنہاد کی حضرت حسینؓ کے سر اقدس کے ساتھ گستاخی
○ یزید کی شقاوت (۲۳۸) ابن زیاد بدنہاد کا صحابہؓ کے ساتھ گستاخانہ طرز عمل (۲۳۹) حضرت

معقل بن یسار کا اس کو نصیحت فرمانا (۲۳۹) ابن زیاد کی حضرت عبداللہ بن مغفل کے ساتھ
گستاخی (۲۴۲) ابن زیاد کی حضرت عائذ بن عمر کے ساتھ بدتمیزی (۲۴۳) ابن زیاد کا حضرت ابو برزہ
کا مذاق اڑانا (۲۴۴) ابن زیاد بد نہاد تھا (۲۴۷) یزید کی مدینہ نبوی میں فوج کشی (۲۴۹) واقعہ حرہ
کے بارے میں آنحضرتؐ کی پیشین گوئی۔ چھٹی حدیث (۲۴۹) حرہ کے مظالم کی تفصیل (۲۵۱) حرم مکہ
کا محاصرہ اور اس پر گولہ باری (۲۵۵) یزید کا انجام بد (۲۵۵) خود فیصلہ کیجئے (۲۵۶) امام سیوطی اور
علامہ تفتازانی کا یزید پر لعنت کرنا (۲۵۸) ناصبیوں کا یہ عقیدہ کہ خلفاء حساب وعذاب سے بری
ہیں (۲۵۹) دوسرا شبہ اور اس کا جواب۔ صحابہ یزید کے درباری نہ تھے (۲۶۲) یہ رافضیوں کی طرح کا
شبہ ہے (۲۶۵) کیا یزید کے ظلم وستم میں کبھی کوئی صحابی شریک ہوا ہے (۲۶۶) تیسرا شبہ۔ یزید کی برات
کے بارے میں محمد بن حنفیہ کی روایت (۲۷۲) محقق کا غلط حوالہ (۲۷۲) جاہل کردوں کا عقیدہ (۲۷۳)
خلافت نبوت جیسا کہ حدیث میں تصریح ہے تیس برس (۲۷۳) ائمہ مسلمین میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں
تھا کہ یزید عادل تھا (۲۷۳) حافظ ابن کثیر کی تصریحات (۲۷۴) محمد بن حنفیہ کی طرف منسوب
فن رجال کا متفقہ فیصلہ (۲۷۶) **چوتھا شبہہ**۔ کیا حضرت ابن عباسؓ نے یزید کو اپنے
خاندان کا نیک فرد بتلایا تھا؟ (۲۷۸) اغانی کی روایت (۲۷۸) الامامہ والسیاسہ (۲۷۹) "بلاذری" کی
سند (۲۸۰) حضرت ابن عباس کی آخری رائے (۲۸۰) یزید اور حضرت ابن عباس کی خط وکتابت
(۲۸۱) یزید کا خط حضرت ابن عباس کے نام (۲۸۱) حضرت ابن عباس کا سرزنش نامہ (۲۸۳)
پانچواں شبہہ اور اس کا جواب۔ قاضی ابن العربی کی رائے (۲۸۸) قاضی ابن العربی
کا فتویٰ کہ حسین کا قتل جائز تھا (۲۸۹) قاضی ابوبکر ابن العربی ناصبی ہیں (۲۹۰) کتاب الزہد میں
جس یزید کا ذکر ہے (۲۹۱) امام ابن جریر کو رافضی بتانا محض جھوٹ ہے (۲۹۲) مطبوعہ کتاب الزہد
اصل نہیں (۲۹۳) یزید کے بارے میں امام احمد کی تصریح (۲۹۴) حافظ ابن حجر کی "لسان المیزان" سے
یزید کا مکمل ترجمہ (۲۹۶) امام احمد کی تصریح کہ یزید ملعون ہے (۳۰۲) قاضی ابوبکر بن العربی کی ہجو (۳۰۵)
چھٹا شبہہ اور اس کا جواب۔ یزید کے جرائم کی فہرست (۳۰۸) غزالی کے فتویٰ کی تنقیح
(۳۰۹) حضرت حسینؓ کا میدان کربلا میں آخری خطبہ (۳۱۱) امام کیا ہراسی کا فتویٰ کہ یزید ملعون ہے
(۳۱۳) غزالی کے فتویٰ کا تفصیلی رد لکھا ہے (۳۱۵) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحقیق (۳۱۵)

شاہ عبدالعزیز صاحب کی تحقیق (۳۱۹) اظہار ندامت (۳۲۱) یزید پر لعنت کے بارے میں شاہ عبدالعزیز
صاحب کا فیصلہ (۳۲۲) بعض علماء یزید پر لعنت اس لئے نہیں کرتے کہ کہیں اس کے گناہوں کا بوجھ کم نہ
ہو جائے (۳۲۲) یزید پر لعن کے بارے میں امام احمد کی تصریح (۳۲۶) یزید پر لعنت کے بارے میں امام
اعظم اور دوسرے ائمہ حنفیہ کی تصریحات (۳۲۷) امام ابوبکر جصاص کا فتویٰ (۳۲۷) ائمہ بخارا کا فتویٰ (۳۲۸)
امام کردری کا فتویٰ (۳۲۹) "خلاصۃ الفتاویٰ" اور "بزازیہ" (۳۲۹) لعن کے بارے میں کتاب "العالم والمتعلم"
کی عبارت (۳۳۰) مسلمان پر لعنت کرنے کا مطلب (۳۳۱) ساتویں اور آٹھویں شبہہ
ان شبہوں کا منشا کیا ہے (۳۳۲) نواں شبہہ حضرت زین العابدینؒ کی یزید سے بیعت (۳۳۳)
اس شبہہ کا جواب۔ "طبقات ابن سعد" اور بلاذری کا غلط حوالہ (۳۳۳) حضرت زین العابدینؒ
کے ساتھ بدتمیزی (۳۳۶) اہل شام کا حضرت زین العابدینؒ کو ستانا (۳۳۶) اہل بیت کی حق تلفی (۳۳۷)
دسواں شبہہ سادات کی رشتہ داریاں امویوں سے (۳۳۹) اس شبہہ کا جواب
واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ اور یزید کی اولاد میں کوئی رشتہ مناکحت قائم نہیں ہوا (۳۳۹) یزید کے
زوال سے عبرت پکڑنا (۳۳۹) گیارھواں شبہہ۔ اس شبہہ کا جواب۔ سائل
کی لغو بیانی و دروغ گوئی (۳۴۰) حضرت فاروق اعظمؓ کی شہادت میں کسی کوفی کا ہاتھ نہ تھا (۳۴۱)
بقیہ غلط باتوں کی تفصیل (۳۴۲) حضرت حسینؓ کا اقدام (۳۴۲) جن حضرات نے یزید و حجاج کے خلاف
اقدام کیا ان سے جنگ کرنا ناجائز تھا (۳۴۳) یزید اور اس کے عمال نے حضرت حسینؓ کو چین سے
بیٹھنے نہ دیا (۳۴۴) بربنائے شفقت (۳۴۴) کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے (۳۴۵) کوفہ کی گورنری
پر ابن زیاد کا تقرر (۳۴۵) عمر بن سعد کا حشر (۳۴۸) ابن زیاد کے سر کا عبرتناک انجام (۳۴۸)
یزید کا دنیا سے ناکام و نامراد جانا (۳۴۹) یزید کی نسل کا منقطع ہو جانا (۳۵۰) یہ صحیح نہیں یزید
کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے (۳۵۱) اس روایت پر روایت کے اعتبار سے تفصیلی بحث (۳۵۱)
حضرت حسینؓ کا شمار کیا صحابہ میں ہے (۳۵۳) حضرت علی اور حضرت حسین اپنی تمام جنگوں میں
حق پر تھے (۳۵۴) حضرت حسینؓ اگر یزید کی بیعت پر راضی تھے تو پھر بیعت کیوں نہ کی؟ (۳۵۵)
عقبہ بن سمعان کی روایت بھی موجود ہے (۳۵۶) خضری کی تحقیق اس باب میں۔ بارھواں
شبہہ۔ حضرت حسینؓ کی اجتہادی غلطی (۳۵۶) اس شبہہ کا جواب۔ شہید

کرنے کا کیا جواز تھا (۳۵۸) سبائی کون تھے (۳۵۸) صحابہ کی بھاری اکثریت حضرت حسینؓ کے موقف کی حامی تھی (۳۶۱) صحابیِ رسول کا معرکۂ کربلا میں شہید ہونا (۳۶۲) احادیث کی رو سے حضرت حسینؓ کے موقف کی صحت (۳۶۳) اہلِ بیت سے جنگ کرنا باجماعِ امت مذموم (۳۶۵) یزید کے بارے میں خود اس کے بیٹے کی شہادت (۳۶۶) ابنِ زیاد کی شہادت (۳۶۸) یزید کا فسق (۳۶۸) شہادتِ حسینؓ پر حضور علیہ السلام کا قلق (۳۶۹) ابنِ تیمیہ کا بیان (۳۷۲) حضرت حسینؓ سے حضور علیہ السلام کا محبت فرمانا اور خلفائے ثلاثہ کا ان کا اکرام کرنا (۳۷۳) مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف فتویٰ کا انتساب (۳۷۵) مفتی صاحب کے اکابر کی تصریحات (۳۷۶) حضرت مجدد الف ثانی کی تصریحات (۳۷۶) بحر العلوم کی تصریح (۳۷۸) سید احمد شہید کی تصریح (۳۷۸) مولانا تھانوی کا فتویٰ (۳۷۹) غیر مقلد مفتیوں کے فتویٰ کی تنقیح (۳۷۹) نواب صدیق حسن خاں کا فیصلہ (۳۸۲) علامہ مقبلی کی رائے (۳۸۳) یزید کی طہارت و مغفرت کی بحث (۳۸۶) یزید کا جزیرہ روڈس اور جزیرہ ارواد سے مجاہدین کو واپس بلوانا (۳۸۶) "مدینہ قیصر" (۳۸۸) حدیث مدینۃ قیصر کا مصداق سلطان محمد فاتح (۳۸۶) قسطنطنیہ کی پہلی مہم (۳۸۹) یزید کا عقیدہ اور عمل (۳۹۳) حافظ ابنِ تیمیہ کا فتویٰ (۳۹۵) اہلِ سنت کے لئے لمحۂ فکریہ (۳۹۶)

قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبرِ حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

(اقبالؒ)

حرفِ اول

مولانا ابوالحسن علی ندوی

اہلِ سنت کا مسلک

مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی کی یہ شائع شدہ تحریر
اس موضوع پر حرفِ اول بھی ہے اور حرفِ آخر بھی

ائمہ اہلِ سنت اور اس گروہ کے تمام محقق و معتبر علماء اور نمائندوں کا اس پر اتفاق ہے کہ خلافتِ راشدہ امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہو گئی۔ حضرت معاویہؓ اور ان کے جانشینوں کی حکومت احادیثِ صحیحہ کے مطابق (جن میں خلافتِ راشدہ کے بارے میں تیس سال کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے) خلافتِ راشدہ نہیں تھی، یہی حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب[1] دہلویؒ اور آخر میں امام اہلِ سنت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی کا مسلک اور تحقیق ہے[2]۔

اسی طرح گروہ اہلسنت یزید بن حضرت معاویہؓ کو اس دورِ خیر و برکت میں جماعت صحابہ اور صالحین امت پر حکومت کرنے کا مستحق نہیں سمجھتا اور ان کو (معتبر تاریخ و سیر کی روشنی میں) اس دینداری اور صلاح و تقویٰ کے معیار پر پورا اترتا ہوا نہیں پاتا جو ایک مسلمان حاکم اور فرماں روا کے لئے (کم سے کم) اس عہد میں ضروری تھا۔ بلکہ ان کو بہت سے ایسے مشاغل و عادات کا مرتکب و عادی جانتا ہے جو شرعی حیثیت سے قابلِ تنقید و مذمت ہیں، پھر انھیں کے عہد میں واقعہ حرہ جیسا سنگین اور قابلِ شرم واقعہ پیش آیا جس کی کوئی تاویل ممکن نہیں، یہی رائے امام احمد بن حنبل[3] اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی ہے[4] دونوں نے سخت الفاظ میں یزید کی مذمت کی ہے، لیکن وہ لعن و طعن، سب و شتم اور تبرا سے محترز اور مجتنب اور

---

[1] ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ص ۱۳۶

[2] "خلفائے راشدین" از مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی، ص ۱۲ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۱ء

[3] ملاحظہ ہو فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۳ طبع اول ۱۳۸۱ھ الریاض [4] فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۷

رفض و تشیع سے بیزار اور اس کے منکر و مخالف تھے۔[1]

اس کے نتیجہ میں اور اس کے پس منظر میں محققینِ اہلِ سنت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کو درست سمجھتے ہیں، جو انھوں نے یزید کے معاملہ اور مقابلہ میں اختیار کیا اور ان کو بر سرِ صواب، شہید راہِ حق اور امت کے لئے ایک نمونہ پیش کرنے والا باور کرتے ہیں۔

اگر ایک جمی جمائی حکومت کے خلاف جس کا حاکم و فرماں روا مسلمان ہو، لیکن اس کی سیرت غیر اسلامی، اس کے اخلاق و عادات قابلِ تنقید ہوں اور اس سے مسلمانوں کے اخلاق اور اسلامی معاشرے پر برے اثرات کے پڑنے کا اندیشہ ہو، کسی قسم کا اقدام، خروج و بغاوت اور انتشار انگیزی کے مرادف قرار دیا جائے تو پھر خاندان سادات ہی کے ان تین صاحبِ عزیمت افراد زید شہید، محمد ذی النفس الزکیہ، اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ المحض کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی، جن میں سے اول الذکر نے اموی خلیفہ ہشام ابن عبدالملک ابن مروان اور دو آخر الذکر حضرات نے خلیفہ منصور عباسی کے مقابلہ میں علم جہاد بلند کیا جو بہرحال یزید سے غنیمت اور کہیں بہتر تھے۔ اور دو عظیم الشان فقہاء اور مذاہب فقہیہ اہلسنت کے جلیل القدر بانی امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے ان کی کھل کر تائید و حمایت فرمائی، حضرت زید بن علی بن حسین نے جب ہشام ابن عبدالملک کے خلاف علم جہاد بلند کیا تو امام ابو حنیفہؒ نے دس ہزار درہم ان کی خدمت میں بھیجے اور حاضری سے معذرت کی۔[2]

---

[1] ملاحظہ ہو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی معرکۃ الآراء کتاب "منہاج السنۃ"۔

[2] ملاحظہ ہو مناقب ابی حنیفہؒ ج ا ص ۵۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی" از مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔

حرفِ دوم

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

مقدمہ کتاب

اسلامی تاریخ پر شب خون

یزید بن معاویہؓ ایسا باطل نہ تھا جس کے خلاف مقاومت ضروری تھی یہ کہنے اور سمجھانے کی کوشش جو پاکستان میں محمود عباسی صاحب کی کتاب سے شروع ہوئی تھی، اب ہندوستان میں ایک مخصوص حلقے میں کی جا رہی ہے۔ چنانچہ لکھنؤ سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں حضرت امام حسینؓ کے اقدام کو غلط ثابت کیا گیا ہے۔ اور یزید کی طرف سے بیانِ صفائی دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک خطرناک اقدام ہے کیونکہ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا تعلق و محبت کا رشتہ یقینی طور پر کمزور ہوتا ہے۔ مزید برآں فاسق اور برسرِ باطل اقتدار کے خلاف مزاحمت اور مقاومت کی تمام کوششوں پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ صدرِ اول میں حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی کوششیں بعد کی صدیوں کے لئے نمونے اور معیار کا کام کرتی رہی ہیں اور آئندہ بھی کام کرتی رہیں گی۔

واقعۂ کربلا کی اہمیت کو کم کرنے اور اس کی واقعی اہمیت کو گھٹا کر دکھانے اور یزید کے کردار کو بلند و بالا ثابت کرنے کا واضح مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے افرادِ خاندان کی کامیاب تربیت نہیں کی ورنہ وہ اپنے ذاتی اقتدار کے حریص بن کر اقتدارِ وقت سے ٹکرانے کی کوشش نہ کرتے۔ پیغمبرِ برحق جن کو اللہ نے مامور فرمایا تھا کہ بنی نوعِ انسان کے لئے ہدایت کا سامان بہم پہونچائیں اور دعوت کا سلسلہ خود اپنے قریب کے اعزہ و اقربا سے شروع کریں۔ وانذر عشیرتک الا قربین (اور ڈرایئے اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو) انھوں نے خود اپنے گھرانے کو فراموش کر دیا۔ اور ان کی دعوت اور ان کی تربیت کا اور رات دن کی صحبت کا

ان کے گھر والوں پر کوئی اثر نہ پڑا اور وہ سب حبِ جاہ کے شکار ہو گئے ۔ ایک اچھے اور اچھے مسلمان خاندان کی یہ خصوصیت ہر جگہ دیکھی جا سکتی ہے کہ اس کے تمام افراد عقیدہ و عمل کے لحاظ سے ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں ۔ آدمی جس ماحول میں آنکھیں کھولتا ہے اور جو باتیں بچپن میں اس کے کانوں میں پڑتی ہیں جو نمونے اپنے خاندان میں دیکھتا ہے اسی کے مطابق وہ قدرتی طور پر ڈھل جاتا ہے ۔ عصبیت میں بھی اور محبت میں بھی اس کے دل و دماغ پر اسی نمونے کی چھاپ ہوتی ہے ۔ بہت ہی شاذ و نادر لاکھوں کروڑوں میں دو چار ایسے ہوتے ہیں جو اس اصول سے مستثنیٰ ہوں ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تعلق اپنے نواسوں یعنی حضرات حسنینؓ سے تھا اور جس طرح کی شفقت کے واقعات صحیح احادیث میں موجود ہیں اور حضرات حسنینؓ کے والدین حضرت فاطمہ زہراؓ اور سیدنا علیؓ کرم اللہ وجہہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو گہرا تعلق تھا اس کے مطابق اور قرینِ عقل و قیاس اور موافق کتب تاریخ و احادیث و رجال یہ بات ہو گی کہ اہلِ بیت لوگوں کے لئے ایک نمونہ اور چراغِ راہ کی حیثیت رکھتے ہوں ۔ اب ان احادیث کا انکار جن سے ان اہلِ بیت سے آپ کی گہری محبت کا اظہار ہوتا ہو درحقیقت نادانی اور صحاح و سنن کے تمام مجموعے کو مشکوک اور ناقابلِ اعتبار ٹھہرانا ہے ۔ ان عظیم حضرات کے مقابلے میں ایک ایسے شخص کو میدان میں لانا اور اسے ہیرو بنانا جس کے سیاہ کارناموں پر امت کے تمام اکابر متفق ہوں بڑی جسارت کی بات ہے ۔

یزید کی کردار سازی اور اسے حاکمِ برحق قرار دینا درحقیقت ملتِ اسلامیہ کے دلوں سے اسلام کی اور اہلِ بیت کی محبت و عظمت کو نکالنے کی کوشش کرنا ہے ۔ یہ کون نہیں جانتا کہ یزید کی ولیعہدی کے وقت سے اسلام کی تاریخ میں غیر شرعی موروثی نظام حکومت کا سلسلہ شروع ہوا اور اتنا دراز ہوا کہ ترکی کی خلافت کے خاتمے کے وقت ہی وہ ختم ہو سکا ۔ یہ کون نہیں جانتا کہ واقعۂ حرہ میں مدینہ میں انصار و مہاجرین پر جو قیامت ٹوٹی اس کا ذمہ دار بھی یزید تھا ۔ جس نے تین روز تک شام کے لشکروں کو یہ آزادی دے دی کہ جس کو چاہیں قتل کریں اور جس گھر کو چاہیں لوٹ لیں اور جس کی ناموس و عزت چاہیں تاراج کریں ۔ کون

نہیں جانتا کہ یزید ہی کے حکم سے مسجدِ نبوی کی حرمت پامال کی گئی۔ وہ بقعۂ پاک جہاں جبرئیل امین اترتے تھے اور جس کے ایک حصے کو جنت کی کیاریاں یعنی "ریاض الجنۃ" کہا گیا ہے۔ وہاں گھوڑے باندھے گئے۔ اب جو شخص بھی ان اعمال سے راضی ہو، اس کی تاویل کرے اور ان اعمال کے ذمہ دار یزید کا وکیل بن کر کھڑا ہو، اس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت کی کیا عزت و وقعت باقی رہ سکتی ہے۔

جو لوگ یزید کے اعمال کی تاویل کرتے ہیں اور اس کی طرف سے دفاع کرتے ہیں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ان صحابہ کرام کے قتل سے بھی راضی ہیں جو کعبۃ اللہ میں پناہ لئے ہوئے تھے اور یزید کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جلیل القدر صحابی ہیں اور مدینہ منورہ میں پیدا ہونے والے پہلے صحابی ہیں اور جن کو سب سے پہلی غذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دستِ مبارک سے ملی۔ حضورؐ نے اپنے دندانِ مبارک سے کھجور چبا کر ان کے منہ میں رکھا تھا گویا اس عالمِ وجود میں آنے کے بعد حضورؐ کا لعابِ دہن تھا جو آپ کی غذا بنا۔ حضرتِ حسینؓ کے بعد وہ یزید کی مخالفت میں صف آرا ہوئے اب کوئی شخص ان کے عمل کو غلط کہے اور ان کو غلط کار ثابت کرنے کی کوشش کرے اور جابر حکومت کے فوجیوں کو برسرِ حق سمجھے اور یزید کی کردار سازی کرے تو یہ تاریخِ اسلام پر شب خون مارنا ہے۔ کوئلے کو کافور اور کافور کو کوئلہ ثابت کرنے کی کوشش مسلمانوں کے شجرۂ نسب و محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹ دے گی اور اس سے یہ بات ثابت ہوگی کہ حضورؐ کی نہ تو نگاہ میں کوئی تاثیر تھی نہ آپ کے اسوہ میں نہ عمل میں نہ تربیت میں۔ وہ اپنے افرادِ خاندان اور قریب ترین صحابہ کی تربیت نہ کر سکے۔ مدینے کے لوگ جو یزید کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے تھے یہ وہ انصارِ مدینہ تھے جنھوں نے بدر کے موقع پر کہا تھا ہم آپ کے دائیں سے لڑیں گے اور آپ کے بائیں سے لڑیں گے آپ کے لئے سمندر میں کود جائیں گے۔ کیا وہ اس لائق تھے کہ ان کے گھروں میں گھس کر ان کو قتل کر دیا جائے کیا اس واقعہ کے بعد بھی یزید کی کردار سازی کی کوئی گنجائش باقی رہ سکتی ہے۔

بدنامِ زمانہ سلمان رشدی نے کھلے بندوں وار کیا تھا۔ اور کھل کر دشمن کی حیثیت سے مسلمانوں کے سامنے آیا تھا اور تمام مسلمانوں نے اس سے نفرت کا اظہار کیا اور دشمنانِ دین نے

اس کی پشت پناہی کی اور آج بھی کر رہے ہیں۔ لیکن محمود عباسی اور اس کے نقشِ قدم پر چلنے والے اس سے زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ یہ اپنے زہر کو نام نہاد تحقیق کے کیپسول میں پیش کر رہے ہیں۔ اللہ ان کو صحیح عقل اور سمجھ عطا فرمائے۔

"نئے مطالعہ کی روشنی میں" واقعۂ کربلا کو دیکھنے کا مطلب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہ تو کوئی نیا وثیقہ برآمد ہوا ہے اور نہ کوئی نئی تاریخی دستاویز اور نہ لندن کے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس سے مصنفِ کتاب کو نیا مخطوطہ مل سکا ہے۔ تاریخ کے مصادر و مراجع وہی ہیں جن کی روشنی میں سینکڑوں برس سے امت کے اعیان علماء و صلحاء ایک نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ دوسرا نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش ایک طرح کا فکری شذوذ ہے جس سے مسلمانوں کو بچنے اور بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

پیشِ نظر کتاب ایسی ہی ایک کوشش ہے اور پورے اخلاص کے ساتھ ایک علمی اور دینی پیش کش۔ ایک ابتدائی مقالہ کے سوا جسے ہندوستان کے علمی افق پر چھیڑی گئی بحث کے پس منظر میں لکھا گیا ہے پوری کتاب محدثِ جلیل مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کے قلم سے ہے۔ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہٗ مصنف لغات القرآن ایک عالمِ جلیل اور محدثِ کبیر ہیں۔ آپ نے سننِ ابنِ ماجہ کی شرح لکھی ہے جو ہند و پاکستان کے علاوہ عرب ممالک میں بھی اہلِ علم کے نزدیک اہمیت سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی احادیثِ نبویہ پر آپ کے قلم سے نکلی ہوئی تحقیقات کا علمی وزن ہے۔ امام حسن بن زیاد کی کتاب الآثار کی تحقیق آپ کا زبردست علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے اس کے علاوہ امام حاکم نیشاپوری صاحب المستدرک علی الصحیحین کے مشہور رسالے المدخل فی اصول الحدیث پر آپ کا گراں بہا علمی و تحقیقی تبصرہ الرحیم اکیڈمی کراچی سے شائع ہو کر اہلِ علم سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔

حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہٗ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے خاص تلامذہ میں ہیں۔ آپ نے ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حیدر حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ سے کسبِ فیض کیا ہے اور فقہ حنفی میں آپ کو اس درجہ رسوخ حاصل ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت کو اپنے نامِ نامی کا جزو "نعمانی" بنا لیا ہے۔ اکابرِ دیوبند سے آپ کو گہرا تعلق ہے۔ دیوبند کے صد سالہ تقریب کے موقع پر الفرقان میں آپ کا مقالہ شائع ہوا تھا جس میں آپ نے دارالعلوم دیوبند کو دینِ حنیف ابراہیمی اور مسلکِ حنفی کا قلعہ بتایا تھا۔ کئی مرتبہ

مہمان استاد کی حیثیت سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درسِ حدیث دیا ہے پاکستان میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے مدرسہ میں عرصۂ دراز تک احادیث کی کتابیں پڑھاتے رہے ہیں۔

جب پاکستان میں محمود عباسی کا فتنہ اٹھا تو اس کو دبانے میں علمائے ہند و پاکستان نے بیش از بیش خدمات پیش کیں۔ ان بزرگوں میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد اویس صاحب ندوی شیخ التفسیر ندوۃ العلماء اور مشہور دینی محقق مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے ہندوستان سے حصہ لیا۔ پاکستان میں حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کی کتابیں مکتبۂ اہلِ سنت کراچی نے شائع کیں اور ان کتابوں کی وجہ سے عباسی فتنہ چند نیم خواندہ افراد تک سمٹ کر رہ گیا۔ اب وہاں کوئی عالمِ دین اس فتنہ میں شریک نہیں ہے۔ ہندوستان میں چونکہ یہ فتنہ نیا نیا شروع ہوا ہے اور بھیس بدل کر نئے انداز میں ابھارا جا رہا ہے اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ مجلسِ علمی کی طرف سے اس موضوع پر حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی کی تحریریں شائع کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ کتاب کو غلط افکار و نظریات کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور جن لوگوں نے غلط نظریات کو قبول کر لیا ہے ان کو ان نظریات سے رجوع کرنے کی توفیق بخشے۔

محسن عثمانی ندوی

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

حادثہ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر

گزشتہ چالیس برس کے عرصہ میں اس برصغیر میں متعدد ایسی کتابیں شائع کی جاتی ہیں جن کا مقصود کبھی صاف طور پر اور کبھی اشارتاً یہ ثابت کرنا ہے کہ یزید کے خلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام دینی نقطۂ نظر سے بھی غلط تھا اور عقل و احتیاط کے بھی خلاف تھا اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی دہرائی جاتی رہی ہے کہ یزید کے اندر کوئی برائی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف کارروائی ضروری تھی۔ سب سے پہلے تو یہ بات جان لینے کی ہے کہ واقعۂ کربلا حضرت حسینؓ اور یزید کی آویزش کے سلسلے میں گزشتہ ایک ہزار برس کے عرصے میں اہلِ دین و صلحاء ایک موقف رکھتے ہیں یہاں تک کہ مسائلِ فقہ میں جن چار اماموں کی امت اسلامیہ پیروی کرتی ہے ان کا موقف بھی ایک ہے اور ان کے سیاسی بیانات سے ان کے رجحان و میلانات کا پتہ چلانا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ واقعہ کربلا کے سلسلے میں کوئی دوسرا موقف اختیار کرنے کا مطلب بہ الفاظِ دیگر اپنے آپ کو ائمہ فقہ سے بڑھ کر فقیہہ اور دین میں فہم و بصیرت کا حامل ہونے کا دعویٰ کرنا ہے۔ علماء دین اور ائمہ عظام تسلسل اور تواتر کے ساتھ اس مسئلہ کو جس نقطۂ نظر سے دیکھتے رہیں وہ یہ ہے:

حضرت معاویہؓ

خلافتِ راشدہ کے بعد ملوکیت کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ خود حضرت معاویہؓ کی تخت نشینی امت کے اعیان سے مشورت اور استمزاج کے ذریعہ نہیں ہوئی تھی بلکہ انھوں نے

اقتدار حاصل کر لیا تھا اور لوگوں نے بس ان کی اطاعت کر لی تھی۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ کی بیعت کے بعد مشہور صحابی اور فاتح عراق حضرت سعدؓ بن وقاص ان سے ملے تو انھوں نے السلام علیک یا ایھا الملک کہہ کر خطاب کیا یعنی اے بادشاہ آپ کو سلام۔ حضرت معاویہؓ کو امیر المومنین کے بجائے ملک کہہ کر خطاب کرنا ناگوار ہوا۔ لیکن ان کو خود بھی اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ وہ مسلمانوں میں پہلے بادشاہ ہیں۔ بلا شبہ حضرت معاویہؓ کا زمانہ فتوحات کے اعتبار سے اور اسلام کی وسعت و اشاعت کے اعتبار سے اور امن و امان کے اعتبار سے بہت خیر و برکت کا زمانہ ہے وہ صحابی رسولؐ اور کاتبِ وحی تھے اور زبردست انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اگر فوراً خلافتِ راشدہ کے بعد ان کا عہد نہ شروع ہوا ہوتا تو لوگ ان کی عظمتوں کے قصیدے پڑھتے اور سیاست و حکومت کے لئے ان کو نمونہ اور معیار سمجھتے لیکن سیاست و حکومت کا یہ چاند گہن میں اس لئے پڑ گیا کہ خلافتِ راشدہ کے دورِ زریں کے بعد فوراً وہ سریر آرائے سلطنت ہوئے۔

اگر یزید کی ولی عہدی کا واقعہ پیش نہ آتا جس کے عہد میں حضرت حسینؓ شہید کئے گئے اور ایک دو باتیں اور ہوتیں تو ان کی حکومت کا زمانہ قابلِ مثال زمانہ قرار پاتا۔ وہ بڑے خدا ترس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عاشقانہ محبت رکھنے والے انسان تھے انھوں نے اپنی وصیت میں اہلِ خاندان سے کہا تھا کہ خدا کا خوف کرتے رہنا کہ خوف کرنے والوں کو خدا مصائب سے بچاتا ہے جو خدا سے نہیں ڈرتا اس کا کوئی مددگار نہیں پھر اپنے ذاتی مال میں سے آدھا مال انھوں نے بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا۔ تجہیز و تکفین کے متعلق یہ وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایک کرتا مرحمت فرمایا تھا اس کو میں نے اسی دن کے لئے محفوظ کر رکھا ہے۔ آپ کے موئے مبارک اور ناخن شیشہ میں محفوظ ہیں اس کرتے میں مجھے کفنانا اور ناخن اور موئے مبارک کو آنکھ اور منہ میں رکھ دینا شاید خدا اس کے طفیل میں اور اس کی برکت سے مغفرت فرما دے۔

یزید کی ولی عہدی کے نقصانات

حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کو جانشین نامزد کر دیا اس وقت صحابۂ کرام کی تعداد بہت تھوڑی تھی ۔ یہ صحابۂ کرام کی اولاد واحفاد کا عہد تھا ۔ جن لوگوں نے حضورؐ کی حدیث سن رکھی تھی کہ میری سنت اور میرے راشد خلفاء کی سنت کو دانتوں سے پکڑ کر رکھو، انھیں سیاست و حکومت کی سطح پر خلفائے راشدین کے زمانے سے یہ انحراف گوارا نہیں ہوا ۔ جو روایت قائم ہوئی تھی اور جس روایت کو اختیار کرنے کا حکم حدیث میں موجود تھا اس اعتبار سے اہلِ تقویٰ اور اہلِ علم حکومت کو کسی شخص اور خاندان کی جائیداد نہیں سمجھتے تھے کہ باپ کے بعد بیٹا اس کا وارث ہو جائے ۔ حکومت تو شہر اور ملک کا انتظام کرنے کے لئے قائم کی جاتی ہے ۔ یہ ایک اجتماعی کام ہے اور لائق ترین شخص کو یہ خدمت سپرد کی جانی چاہئے ۔ اسلام کے اجتماعی نظام میں ملوکیت کے در آنے کے واقعہ کو ممکن نہ تھا کہ اہلِ دین کا ضمیر برداشت کرتا ۔ اسلام کے نظام میں جو رخنہ پڑ گیا تھا اُسے پُر کرنے اور جو بگاڑ پیدا ہو گیا تھا اس کی اصلاح کے لئے سب سے پہلی کوشش حضرت امام حسینؓ کی تھی ۔ یہ کوشش ظاہری اور مادی اعتبار سے کامیاب ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو یہ واقعہ ہے کہ ہر دور اور ہر عہد میں اہلِ دین اور اہلِ عزیمت کو بگاڑ کے خلاف مقابلے اور مقاومت پر آمادہ کرتی رہی ہے وہ ایک غلطی جو یزید کی ولیعہدی کی شکل میں کی گئی تھی اس کا نتیجہ سینکڑوں سال تک مسلمانوں کو بھگتنا پڑا اور اسلام کی تاریخ میں ملوکیت کا یہ نظام ایسا مستحکم ہوا کہ موجودہ صدی میں مصطفی کمال کے الغائے خلافت تک بمشکل کوئی تزلزل ہو سکا ۔ یہ تزلزل ہوا تو حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے عہدِ خلافت میں ۔ ان کو یہ احساس تھا کہ یہ نظام جس کے ذریعہ بنو امیہ کے دور سے لوگ مسندِ اقتدار پر بیٹھے ہیں قیصر و کسریٰ کی سنت ہے اس میں مسلمانوں کے اربابِ حل وعقد کے انتخاب کو دخل نہیں ہوتا ہے اس لئے یہ اسلامی مزاج کے مطابق نہیں چنانچہ انھوں نے اس انحراف کی جس کی ابتدا یزید کی ولی عہدی سے ہوئی تھی اصلاح

ضروری سمجھی انھوں نے اپنی خلافت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور انتخاب کے معاملہ کو عوام کے سامنے دوبارہ پیش کرتے ہوئے کہا:

> ”لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لیے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے اس لئے میں خلافت سے دست بردار ہوتا ہوں اور تم جسے چاہو اپنا خلیفہ بنا لو!“

سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد عہد نامہ کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کی بات طے ہو گئی تو وہ مسجد میں آئے اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا

ایها الناس انّی قد ابتلیتُ بهذا الامر غیر رأیٍ کان منی ولا طلبة له ولا مشورة مِنَ المسلمین وانّی قد خلعتُ ما فی اعناقکم من بیعتی فاتخذوا لانفسکم فصاح الناس صیحة واحدة وقد اخترناك یا امیر المؤمنین ورضینا بك[1]

لوگو! مجھے (خلافت کی) آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ اس میں نہ میری رائے شامل تھی اور نہ عام مسلمانوں سے مشورہ کرکے ایسا کیا گیا۔ میں اپنی بیعت کا قلادہ تمھاری گردنوں سے اتارتا ہوں۔ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ چن لو۔ لوگوں نے بیک آواز ہو کر کہا: ”امیر المومنین ہم نے آپ کو ہی منتخب کیا اور ہم آپ کی خلافت سے راضی ہیں۔

مجمع نے آپ کی خلافت سے دست برداری قبول نہیں کی اور آپ کو اتفاق رائے سے خلیفہ منتخب کر لیا۔ اگر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نزدیک موروثی نظام بادشاہت مزاج دین کے خلاف نہ ہوتا تو بیعت کا قلادہ از خود کیوں اتارتے۔ افسوس ہے کہ ان کے بعد پھر سے جبری بیعت اور خاندانوں کی موروثی بادشاہت کا مستقل طریقہ چل پڑا۔ لوگ اجتماعی مشورے کے ذریعے برسر اقتدار نہیں آتے تھے بلکہ ہتھیاروں کی طاقت سے برسر اقتدار آتے تھے اور لوگوں پر حکومت کرتے تھے۔ بیعت سے اقتدار نہیں حاصل ہوتا تھا۔ بلکہ اقتدار سے بیعت حاصل ہوتی تھی اور جو بیعت نہیں کرتا اس کی گردن اڑا دی

---

[1] (ابن الجوزی ص ۵۳)

جاتی تھی۔ اسلام کی تاریخ کے اس طویل دور میں بلاشبہہ بہت سی برکتیں تھیں۔ مقدمات کے فیصلے بھی اسلام کے نظامِ قضا کے ماتحت ہوتے تھے۔ لیکن خلافت علیٰ منہاج النبوۃ باقی نہیں رہی تھی۔

دینی طبقہ کی رائے عامہ

اسلام کی تاریخ میں جب اس سیاسی بدعت کا آغاز ہو رہا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ لوگ بھی خاموش رہ جاتے جنھوں نے نبوت کا زمانہ اور خلافتِ راشدہ کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ گروہ اگرچہ مختصر تھا لیکن یہ بات مزاجِ دین کے عین مطابق تھی کہ کچھ لوگ اس انحراف کو برداشت نہ کرتے اور اسے چیلنج کرنے کی ہمت کرتے۔ یزید کی حکمرانی سے علماء و صلحاء کا طبقہ اور اہلِ دین و تقویٰ کا گروہ حکومت سے دور ہوتا گیا دینی حلقوں میں نفرت و ناراضی بڑھتی جا رہی تھی۔

حضرت حسینؓ کا یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا دینی طبقے کی رائے عامہ کا مظہر اور بہت بڑی علامت تھا کسی نے اس اقدام کو غلط قرار نہیں دیا۔ حضرت حسینؓ کی شہادت پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ تمام ائمہ اہلِ سنت ان کے طرفدار اور حامی رہے ہیں۔

"امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ یزید کو پسند نہیں کر سکتا۔"[1]

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"جس شخص نے حضرت حسینؓ کو شہید کیا، ان کے قتل میں مدد کی یا ان سے راضی ہوا اس پر اللہ کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ نہ ان کے عذاب کو دور کرے گا اور نہ اس کا عوض قبول کرے گا۔"[2]

مجدد الف ثانی کہتے ہیں:

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴

[2] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ صفحہ ۴۸۷

”یزید سعادت توفیق سے محروم اور زمرۂ فساق میں داخل ہے“[1]

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کہتے ہیں:

”گمراہی کی دعوت دینے والا شام میں یزید اور عراق میں مختار تھا“[2]

عہدِ خلافتِ راشدہ کے بعد کی خرابیاں

نظامِ خلافت اور نظامِ ملوکیت دونوں میں بڑا فرق ہے اگر خلافتِ راشدہ کی تاریخ اور اس کے بعد ملوکیت کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو درج ذیل بین فرق محسوس کئے جائیں گے۔

(۱) خلافتِ راشدہ کے زمانے میں خلیفہ ایک عام فرد کی طرح بود و باش رکھتا تھا لیکن دمشق اور بغداد کے حکمرانوں نے ایران و روم کے بادشاہوں کی شاہانہ زندگی اختیار کر لی تھی جن پر بے دریغ دولت خرچ کی جاتی تھی۔

(۲) ملوکیت کے دور میں بیت المال رعایا کی امانت نہیں تھا۔ بلکہ وہ بادشاہ کی جاگیر اور ذاتی خزانہ بن گیا تھا۔ جب کہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں خلیفہ اس بیت المال کا متولی ہوتا تھا اور خود اپنی ذات پر بھی اگر خرچ کرتا تھا تو کمالِ احتیاط و تقوے کے ساتھ۔

(۳) خلافتِ راشدہ کے عہد میں لوگوں کو خلیفہ سے بھی محاسبہ کرنے کی آزادی تھی بلکہ اس محاسبہ کی بھی ہمت افزائی کی جاتی تھی ملوکیت کے دور میں بادشاہ ہر طرح کے احتساب اور محاسبہ سے بلند تھا اور حق گوئی کی جرأت کرنے والے کی سزا قتل یا قید ہو سکتی ہے۔

(۴) خلافتِ راشدہ کے دور میں عدلیہ آزاد تھی قاضی خلیفہ تک کو عدالت میں طلب کر سکتا تھا اور خلیفہ کے خلاف فیصلہ دے سکتا تھا۔ ملوکیت کے دور میں عدالتیں بادشاہوں کے دباؤں سے بالکلیہ آزاد نہ تھیں۔

(۵) خلافتِ راشدہ میں تمام اجتماعی کام صلاح و مشورے یا شورائی نظام کے ذریعہ انجام دیے جاتے تھے۔ ملوکیت کے دور میں بادشاہ مطلق العنان ہوتے تھے اور ”امرھم شوریٰ بینھم“ کے حکمِ شریعت کو پامال کیا جاتا تھا۔

(۶) خلافتِ راشدہ کے دور میں خلفاء کی زندگی طہارت و تقویٰ کا بلند ترین نمونہ پیش کرتی تھی ملوکیت کے دور میں فسق و فجور، ہوا و ہوس، نوش و نشید کا سیلاب شاہی دربار میں

---

[1] مکتوبات امام ربانی جلد ۱، مکتوب ۲۵۱

[2] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۲۱۳

تک پہنچ گیا تھا۔ خود یزید کی زندگی بے داغ نہ تھی۔ آبرو فاختہ اور اباحیت زدہ مصاحبین کا گروہ خلفاء کے دربار میں پایا جاتا تھا جبکہ اس طبقہ کا وجود خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں نہ تھا

(۷) حکومت کا محور جس پر اس کا پورا نظام گردش کرتا تھا کتاب و سنت کے بجائے ذاتی مفادات یا ملکی مصالح بن گیا تھا۔ ملکی اور مالی مفادات کے لیے دین کو قربان کیا جاتا تھا اور اور اسلام کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹ ڈالی جاتی تھی اس کی مثال یہ ہے کہ بنو امیہ کے عہد میں نو مسلموں تک سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا تاکہ حکومت کا خزانہ بھرا رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے اس خلاف شرع آرڈیننس کو ختم کیا اور یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے جابی (ٹیکس وصول کرنے والا) بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔

(۸) اقربا نوازی اور کنبہ پروری اور دوسری اخلاقی خرابیاں جو خلافتِ راشدہ کے زمانے میں سخت معیوب تھیں عام ہو گئیں۔

(۹) خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں حکمراں کا تعلق خاص قبیلہ اور نسل سے نہ تھا دورِ ملوکیت میں جب کسی قبیلہ کا شخص حکمراں ہو جاتا تھا اور کئی نسلوں تک اقتدار اس کے قبضہ میں رہتا تھا تو نسلی عصبیتوں کو بڑھاوا دیتا اسلام سے پہلے ہر قبیلہ کا بت الگ ہوتا تھا۔ اسلام نے قبائلی عصبیتوں کو مٹا کر وحدت امت کا نصب العین عطا کیا تھا لیکن خلافتِ راشدہ کے بعد قبائلی عصبیتیں زندہ ہوئیں۔ جب مسلمانوں کے فتوحات کے قدم بعد میں اسپین تک پہنچے تو قبائلی عصبیتوں نے وہاں بھی ساتھ نہیں چھوڑا اور قبائل کی الگ الگ چھوٹی چھوٹی ریاستیں وجود میں آئیں جو باہم ایک دوسرے سے برسرِ پیکار بھی ہوتی تھیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف یہودیوں اور عیسائیوں تک سے مدد لی جاتی تھی۔ پھر قبائلی تعصبات کی آگ ہی نہیں بھڑکی بلکہ عرب و عجم کی کشمکش بھی شروع ہو گئی۔ خلافتِ راشدہ کے بعد ایک مدت تک عرب سامراجی نظام پایا گیا جس کا ردِ عمل غیر عرب مسلمانوں پر ہوا۔

(۱۰) خلافتِ راشدہ کے دور میں کلمہ حق کہنے اور خلیفہ تک کو برسرِ عام ٹوکنے کی لوگ ہمت رکھتے تھے اور خلیفہ کو اپنی صفائی پیش کرنی پڑتی تھی۔ اس کے بعد ملوکیت کے دور میں حق بات کہنے کا مطلب کبھی اپنی جان سے اور کبھی عاقبت کی زندگی سے ہاتھ دھونا تھا۔ ضمیر کو

کچلنے کے لیے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے روکنے کے لیے حکومت کی طرف سے عہدہ و منصب کی بخشش شاہانہ پیش کی جاتی اور علماء دین ان مناصب کو رشوت سمجھ کر قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اور اس کے نتیجہ میں وہ حکمرانوں کی زجر و توبیخ اور ایذا رسانی کا شکار رہتے تھے جب امام مالک نے خلفاء کی جبری بیعت کے کالعدم ہونے کا فتویٰ دیا تو ان کی پیٹھ پر تازیانے برسائے گئے۔

خلاصہ یہ کہ خلافتِ راشدہ کے نظام حکمرانی کو ختم کر کے عجمی ملوکیت کے موروثی نظام کو اختیار کرنے کے جو مفاسد ہو سکتے تھے وہ سب کے سب پیدا ہونا شروع ہو گئے اور بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی:

> "زخم خوردہ جاہلیت اپنے فاتح حریف سے انتقام لینے پر تلی ہوئی تھی اور چالیس برس کا حساب ایک دن میں پورا کرنا چاہتی تھی"

جن صحابہ کرام نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی ان کا بیعت سے انکار کرنا دراصل اسلامی نظام میں ان ہی آنے والے انحرافات کو روکنے اور ان پر پابندی لگانے کے لئے تھا۔ ان کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر اصلاح نہ ہوئی تو یہ بگاڑ بڑھتا ہی جائے گا یزید کی ولی عہدی کے وقت یہ بگاڑ اگرچہ پورے طور پر ظاہر نہیں ہوا تھا لیکن جن لوگوں نے خلافت کو ہرقل کی ملوکیت میں تبدیل کر دینے پر تنقید کی تھی اور اپنی ناراضی ظاہر کی تھی انھیں پورے طور پر یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اسلامی ریاست کی گاڑی نے اپنی پٹڑی بدل دی ہے اور اب یہ راستہ "مکہ" کے بجائے "ترکستان" کی طرف جا رہا ہے۔ منزل اور سمت سفر کی اس تبدیلی کے نتائج سے وہ لوگ اچھی طرح واقف تھے جن کو اللہ نے نورِ بصیرت عطا فرمایا تھا حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے مستقبل کے خطرات کا اندازہ کیا اور سمتِ سفر کی اس تبدیلی کو روکنے کے لئے اپنی زندگی قربان کر دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو خلافت کے لئے ذاتی استحقاق کے لیے میدان میں نہیں آئے تھے۔ یہ امت کے بہترین لوگ تھے۔ حضرت حسینؓ نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ تھیں اور خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ۔

اختلاف کی بنیاد

تاریخ کی کتابوں میں ان اجلِ صحابہ کے نام موجود ہیں جنھوں نے یزید کے لیے بیعت کرنے سے انکار کیا۔ حضرت حسینؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نام تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

اختلاف کی بنیاد یہ تھی کہ نظامِ حکومت اپنے اسلامی مزاج سے منحرف ہو رہا تھا۔ اور خلفائے راشدین کے بجائے اسلام میں قیصر و کسریٰ کی سنت زندہ کی جا رہی تھی۔ اس تبدیلی کو اہلِ دین اور صحابۂ عظام کا دینی ضمیر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ یزید کی ولیعہدی کے مسئلے پر ابنِ اثیر نے اختلاف کی جو روداد سنائی ہے۔ اس میں مروان کے سامنے عبدالرحمان بن ابو بکرؓ کا بیان موجود ہے۔ اس بیان سے اختلاف کی اصل بنیاد کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے۔

> "تم لوگوں کی نیت یہ ہے کہ خلافت کو ہرقل کی ملوکیت سے بدل دو کہ ایک ہرقل مرا تو دوسرا ہرقل آگیا۔"[1]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت معاویہؓ کو یزید کی ولیعہدی کے موقع پر یہ مشورہ دیا تھا کہ خلافت کے اہم مسئلے میں خلافت راشدہ کو نمونہ بنائیے نہ کہ دنیا کے حکمرانوں اور بادشاہوں کو یزید کی ولیعہدی سے شدید اختلاف کرتے ہوئے انھوں نے حضرت معاویہؓ کو کہا:

> "اپنے بعد معاملے کو اس طرح چھوڑ جائیے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے کہ انھوں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کیا، یا پھر حضرت ابوبکرؓ کی سنت اختیار کیجئے کہ خلیفہ نامزد تو کیا مگر اپنی اولاد کو نہیں، نہ اپنے خاندان میں سے کسی کو۔ یا خلیفۂ ثالث حضرت عمرؓ کی طرح کیجئے کہ انھوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے شوریٰ بنا دی تھی مگر اس میں اپنے خاندان یا اولاد کے کسی فرد کو نہیں رکھا۔"[2]

خود حضرت حسینؓ کا قول تاریخ میں موجود ہے۔ امام وہی ہے جو کتاب اللہ پر عامل انصاف کا خوگر، حق کا تابع اور تعلق مع اللہ کے صفت سے متصف ہو۔[3]

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۵۰

[2] ابن اثیر

[3] طبری جلد ۴ صفحہ ۱۹۸

اب جن لوگوں نے بر سرِ ممبر اور علیٰ رؤس الاشہاد یزید کی خلافت کو ماننے سے انکار کیا تھا، ان کے نزدیک یزید نہ کتاب اللہ پر عامل تھا نہ انصاف کا خوگر نہ حق کا تابع اور نہ تعلق مع اللہ کی صفت سے متصف۔ یزید کا کردار کیا تھا۔ البدایہ والنہایہ جیسی قابلِ اعتماد کتاب میں اور دوسری بہت سی تاریخ کی کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں

وکان فیہ ایضاً اقبال علی الشہوات والترک لبعض الصلوات فی بعض الاوقات واماتتھا فی غالب الاوقات

اس کے ساتھ اس میں شہوات کی طرف میلان موجود تھا۔ کبھی وہ تارک الصلوٰۃ بن جاتا تھا۔ نمازوں کے معاملے میں وہ نہایت لاپرواہی کا شکار تھا۔

اسلامی حکومت کا مقصود ہی اقامتِ نماز ہے۔ اگر کوئی حکمراں دین کے معاملہ میں اتنا لاپرواہ ہو جائے کہ اسے نمازوں کی بھی فکر نہ رہے اور اقامت صلوٰۃ کے بجائے اماتتِ صلوٰۃ کا مجرم بن جائے تو پھر اس کے لئے کوئی ڈھال باقی نہیں رہتی اور اس کے خلاف اقدام درست ہو جاتا ہے

حضرت معاویہؓ کا موقف

اس سوال کا پیدا ہونا قدرتی ہے کہ حضرت معاویہؓ جیسی اہم شخصیت کو یزید کی ولیعہدی پر اصرار کیوں تھا اور یہ اجتہادی غلطی ان سے کیوں سرزد ہوئی تاریخ کہتی ہے کہ حضرت معاویہؓ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ امت کی وحدت اور شیرازہ بندی کے لیے یہی صورت مناسب تھی۔ اس کے علاوہ یزید میں وہ انتظام و انصرام اور قوت و بہادری کے جوہر بھی دیکھتے تھے۔ اور یہ جوہر عام طور پر دنیا میں بادشاہوں کے لڑکوں میں پائے جاتے ہیں لیکن تاریخ یہ بھی کہتی ہے کہ ان سب کے ساتھ اس محبت کا جذبہ بھی کام کر رہا تھا۔ جو ہر باپ کے سینے میں ہوتا ہے ابن کثیر نے اسبابِ ولیعہدی میں اس سبب کو سب سے پہلے بیان کیا ہے

" وذالک من شدۃ محبۃ الوالد لولدہ "

صحابہ کرام کا روکنا بربنائے مصلحت و شفقت

جن بزرگوں نے حضرت حسینؓ کو اقدام سے روکنے کی کوشش کی ان کا نقطۂ نظر یہ نہیں تھا کہ حکومت اور سیاست میں بگاڑ پر نکیر کرنا اور مخالفت میں قدم اٹھانا ہی سرے سے غلط ہے۔ بلکہ نقطۂ نظر یہ تھا کہ حالات کا اور اپنے دشمن کی قوت کا اندازہ لگانا بھی ضروری ہے۔

حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنیفہ نے ان سے کہا

"تمام علاقوں میں گھومئے پھرئے تاکہ اندازہ لگ سکے کہ حالات کیا ہیں اور لوگوں کا نقطۂ نظر کیا ہے۔ لوگوں سے ملنے کے بعد جو رائے قائم ہوگی وہی صحیح رائے ہوگی۔"[لہ]

حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی مشورہ دیا کہ ابھی مقابلے کے لئے اٹھنا قرینِ مصلحت نہیں انھوں نے کہا:

"عراق کا ارادہ نہ کرو اور اپنی جان کھونے کے لئے وہاں نہ جاؤ۔ کم از کم اتنی بات مان لو کہ موسم حج گزر جانے دو۔ حج میں آنے والے لوگوں سے مل کر وہاں کے حالات کا اندازہ کرو اور پھر جو طے کرنا ہے طے کرو۔"

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ ان حضرات کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ وقت ابھی سازگار نہیں ہے۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے حالات کا اندازہ لگانے میں غلطی کی۔ اس وقت قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا اور کوفے کے عمائدین کے بے شمار خطوط کو انھوں نے اپنے موقف کے لیے دلیل بنایا تھا۔ انھوں نے اخلاص کے جس موقف کو صحیح سمجھا اسے اختیار کیا۔

حضرت حسینؓ کی مخالفت بڑے فنکارانہ طریقہ سے ہو رہی ہے اور بڑی چابک دستی کے ساتھ یزید کی صفائی پیش کی جا رہی ہے تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ ایک دو بزرگوں کو چھوڑ کر کوئی یزید کا مخالف نہ تھا باستثنائے چند سب نے بطیب خاطر یزید کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا اور یزید میں کوئی ایسی خرابی نہ تھی کہ اس کو خلیفہ تسلیم کرنے میں کوئی قباحت لازم آتی اس بارے میں جو بات کہ بار بار دہرائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت

[لہ] (طبری جلد ۶ صفحہ ۱۹۱)

عبداللہ بن عباسؓ نے نہ صرف یہ کہ بیعت کر لی بلکہ بیعت کی مخالفت کرنے والوں کو نصیحت بھی کرتے رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ دونوں بزرگ شروع سے یزید کی ولی عہدی اور یزید کی خلافت کے مخالف تھے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد اسلام کا اجتماعی ڈھانچہ بدل رہا تھا اور جو سیاسی نظام شروع ہوا تھا وہ منہاجِ سنت پر مبنی نہیں تھا اور یہ بات صحابہ کرام اور اہلِ دین و تقویٰ کے لئے بڑی صبر آزما تھی۔ لیکن یہ حضرات دیکھ رہے تھے کہ اس صورتِ حال کی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ شام کے قشونِ قاہرہ کی نظروں میں نہ اہلِ دین کا تقدس ہے نہ دین کا احترام اور نہ خود اس کی دینی تربیت ہو سکی ہے۔ مذہب اور سیاست کے راستے الگ ہو چکے ہیں۔ اب ہتھیار ڈالنے اور بدرجہ مجبوری بیعت کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی علاقہ میں گورنر کو بھیجتے تھے تو نرمی اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کی گورنری پر مامور کیا تو نصیحت کی "یسّروا ولا تعسّروا" نرمی اور آسانی پیدا کرنا سختی نہ کرنا یہی طریقہ خلافتِ راشدہ کے عہد میں بھی تھا۔ لیکن بنو امیہ کے زمانے کے گورنر تمام دینی تقاضوں کو فراموش کرکے ظلم پر ہر وقت کمربستہ رہتے تھے حجاج کے مظالم کو دیکھ کر حسن بصریؒ نے فرمایا:

"اے اللہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں جو تجھ سے نہیں ڈرتا۔"

ظلم و ستم کی خونچکاں داستان جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان حالات میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسی شخصیت جس کے روز و شب تسبیح و تلاوت اور مسلسل عبادت میں گزرتے ہوں مجبوراً بیعت کر لیتے ہوں اور اسی طرح سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ آخر میں آمادۂ بیعت ہو جاتے ہوں تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ان حضرات کے طرزِ عمل کو حضرت حسینؓ کے اقدام کو غلط ثابت کرنے کے لیے دلیل بنا کر پیش کیا جائے اور اللہ کی مخلوق کو گمراہ کیا جائے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد اہلِ دین کی اکثریت نے اس وقت کے حالات میں جو ممکن ہو سکا وہ کیا۔ انھوں نے حکومتِ وقت سے قطع تعلق کر لیا اور گوشہ گیر ہو گئے اور اپنے اپنے دائرہ میں تجدید و احیاء کی پرخلوص جد و جہد شروع کر دی تاکہ دینی اور اخلاقی نظام پر سیاسی نظام کی غلط کاریو

کا سایہ کم سے کم پڑے انھوں نے بادِ مخالف کے جھونکوں کے درمیان شمع روشن کی۔

دامن اس کا تو بھلا دور ہے اے دستِ جنوں
کیوں ہے بے کار گریباں تو مرا دور نہیں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ باوجود بیعت کر لینے کے یزید کو کس نظر سے دیکھتے تھے اس پر وہ مراسلت بہترین شہادت ہے جو ان کے اور یزید کے درمیان ہوئی تھی شہادت حسینؓ کے بعد جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی بیعت خلافت کی دعوت دی تو اس دعوت کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قبول نہیں کیا۔ ان حضرات نے اگرچہ بادل ناخواستہ بیعت کر لی تھی لیکن بیعت کر لینے کے بعد وہ اس کو توڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے انکارِ بیعت سے یزید بہت خوش ہوا اور اس نے اپنے خط میں انعام واکرام اور حسنِ سلوک کا وعدہ کیا۔ یزید کا خط ابنِ اثیر کی تاریخ میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے یزید کو اس کے خط کے جواب میں لکھا:

> "تمہارا خط ملا۔ میں نے جو ابنِ زبیر سے بیعت نہیں کی تو واللہ اس سلسلہ میں تم سے حسن سلوک اور تمہاری تعریف کا خواہاں نہیں بلکہ جس نیت سے میں نے ایسا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ تم میرے اس حسنِ سلوک کو فراموش نہ کروگے تو مجھے تمہارے حسنِ سلوک کی ضرورت نہیں اور تمہاری یہ درخواست کہ میں دلوں میں تمہاری محبت پیدا کروں اور ابنِ زبیر سے نفرت اور ابن زبیر کو میں اکیلا چھوڑ دوں تو ایسا نہیں ہو سکتا مجھے نہ تمہاری خوشی منظور ہے اور نہ تمہارا اعزاز اور یہ ممکن بھی نہیں کیونکہ تم ہی حسینؓ اور جوانانِ عبدالمطلب کے قاتل ہو۔ تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو خون آلود میدان میں ڈال دیا تھا اور ان کے بدن پر ایک کپڑا بھی نہ تھا۔ پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا گیا...... یہ سب کچھ تم نے خدا، رسول اور اہلِ بیت کی عداوت میں کیا۔ حسینؓ نے تمہارے سامنے

صلح کی بھی پیش کش کی اور واپس لوٹ جانے کی بھی درخواست کی مگر تم نے یہ دیکھ کر کہ اس وقت بے یار و مددگار ہیں اور ان کے خاندان کا صفایا کیا جا سکتا ہے موقع غنیمت جانا اور تم ان کے خلاف اس طرح ٹوٹ پڑے گویا تم مشرکوں اور کافروں کو قتل کر رہے ہو .... آج تو نے ہم پر فتح پالی ہے ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے

والسلام[1]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے یہ الفاظ روز روشن کی طرح یہ شہادت دیتے ہیں کہ اس وقت کے عالم اسلام کا دینی حلقہ یزید کو ناپسند کرتا تھا۔ اس دینی حلقہ نے حضرت امام حسینؓ کے سرفروشانہ اقدام کا عملی ساتھ دیا ہو یا نہ دیا ہو اس حلقہ کا دل ان کے ساتھ تھا۔ جن لوگوں نے روکنے کی کوشش کی وہ بربنائے شفقت کی تھی کہ اہل اسلام کے اس کعبہ محبت کو کوئی آنچ نہ آئے یا اس لئے تھی کہ ان کے خیال میں اقدام کے لئے حالات سازگار نہیں ہیں۔ آج یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے حالات کا اندازہ لگانے میں غلطی کی۔ لیکن اس وقت قطعیت کے ساتھ ان کے لئے ناسازگاری کا فیصلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ کوفے کے عمائدین کے خطوط ان کے پاس آ رہے تھے۔ وفود کی شکل میں لوگ آ رہے تھے اور انھیں بلا رہے تھے۔ انھوں نے اگر یہ فیصلہ کیا کہ انھیں نکلنا چاہئے تو کیوں اسے غلط کہا جائے کیا یزید کی حکومت کے خلاف بے چینی موجود نہیں تھی کیا خلافت کو موروثی نظام سے بدلنے پر اضطراب نہیں پایا جاتا تھا؟۔

حکمت الٰہی کیا تھی؟

علامہ ابن تیمیہ نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ حکمت الٰہی یہ تھی کہ امام حسینؓ کو شہادت کے بلند و ارفع مقام تک پہنچایا جائے تاکہ وہ شہداء کا عیش اور سعداء کی منزل پا سکیں

---

[1] ابن اثیر کامل - ج ۴ ص ۵۱/۵۰

لیکن اس حکمتِ الٰہی سے بڑھ کر ایک اور حکمت الٰہی اس واقعہ شہادت میں موجود ہے جس کا رشتہ پوری ملّت اسلامیہ کے مستقبل کی تاریخ سے جڑا ہوا ہے اور وہ یہ کہ حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے سرفروشانہ اقدام کے ذریعہ غلط اور فاسد اقتدار کے خلاف اعلانِ حق کی ایک زندہ نظیر باقی رہ جائے جو ہر دور میں اہلِ عزیمت کے لئے نمونہ کا کام کرے اور فساد کو مٹانے کے لئے انھیں بے چین و مضطرب کردے۔ یہاں امام ابن تیمیہ ہی کے قول کو پیش کرنا بے محل نہ ہوگا۔

"دین کے اعزاز و غلبے کے لئے جانوں کو خطرے میں ڈالنا دین میں مشروع ہے"

حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اہلِ عزیمت کے لئے نمونہ اور نظیر۔

بظاہر یزید کے زمانہ کی دونوں کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ لیکن یہ کامیابی کیا کم ہے کہ یہ دونوں کوششیں اہلِ عزیمت کے لئے نمونہ اور نظیر کا کام دیتی رہیں۔ اور اہلِ دین و صلاح کی نظروں میں اسلامی سیاست و خلافت کی آئیڈیل شکل ہمیشہ باقی رہی اور اس کے لئے جدوجہد بھی جاری رہی۔ جدوجہد اس چیز کے لیے تھی کہ خلافت کو صحیح محور پر قائم کیا جائے اور اسلامی نظامِ حکومت کی چول جو کھسک گئی تھی اسے اپنی جگہ پر بٹھایا جائے۔ اور یہ اجارہ داری جو امویوں نے اور عباسیوں نے قائم کرلی تھی اسے ختم کیا جائے لیکن اموی اور عباسی حکومتیں طاقتور حکومتیں تھیں۔ ان کی پشت پر مضبوط فوجی نظام تھا ان حکومتوں کا مقابلہ آسان نہ تھا۔ ان کے مقابلہ میں کچھ حمایت اگر مل سکتی تھی تو ان لوگوں کو جو ایک طرف اپنے زہد اور تقویٰ کے اعتبار سے اور دوسری طرف علو نسب اور خاندانی شرافت کے اعتبار سے سوسائٹی میں غیر معمولی احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہوں یہی وجہ ہے کہ موروثی نظامِ حکومت کے خلاف علمِ جہاد اٹھانے والے اس دور میں وہ لوگ تھے جن کا تعلق اہلِ بیت سے تھا کہ ان کی کامیابی کا امکان دوسروں کے مقابلہ میں

زیادہ تھا اور معاشرہ میں ان کی حیثیت مرکز امید کی تھی۔

امام حسینؓ کے پوتے حضرت زید بن علی بن حسین نے ہشام بن عبدالملک کے خلاف محاذ آرائی کی اور ۱۲۲ھ میں اقامتِ دین کی اس جدوجہد میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔ اگر یہ اقامتِ دین کے لئے جدوجہد نہ ہوتی اور یہ کشمکش جہاد نہ ہوتی تو امام اعظم ابوحنیفہؒ ان کے مؤید اور حامی نہ ہوتے۔ امام صاحب کی تائید اور حمایت اسی لئے تھی کہ وہ اس موروثی نظامِ حکومت کو غیر شرعی اور غیر اسلامی تصور کرتے تھے۔ انھوں نے زید بن علی کی خدمت میں دس ہزار درہم بھیجے اور اس استفسار پر کہ یہ جہاد ہے کہ نہیں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے جس طرح واقعہ بدر جہاد تھا

"خروجہ یُضاھی خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر وامدَّ جنودَہ بالمال ولکنہ کان ضعیفَ الثقۃ فی انصارہ ولذا قال فی الاعتذار عن حَمْل السیف معہ"

زید بن علیؓ کا خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدر کے خروج کے مماثل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے زید بن علی کی فوج کی مالی معاونت کی لیکن چونکہ حضرت زید کے حمایتیوں پر انھیں بھروسہ کم تھا اس لئے انھوں نے تلوار اٹھانے سے معذرت کی[1]

حضرت زید بن علیؓ کے بعد حضرت محمد ذو نفس زکیہ بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن سیدنا حسنؓ نے مدینہ طیبہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ المحض نے کوفہ میں عباسی خلیفہ منصور کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ نے ان کی بھی تائید و حمایت کی امام ابوحنیفہؒ نے مالی مدد کی۔ امام مالکؒ نے اہلِ مدینہ کو محمد ذو النفس الزکیہ کی رفاقت و طاعت کا فتویٰ دیا اگرچہ کہ لوگ منصور کی بیعت کر چکے ہوں[2]

یہ بحث غیر ضروری ہے کہ یہ کوششیں کتنی کامیاب ہوئیں اور کتنی نہیں۔ انسان صرف

---

[1] (مناقب امام ابوحنیفہ لبزازی بحوالہ ابی زہرہ
ص ۱۶۴)

[2] تاریخ الکامل ج ۵ ص ۲۱۴

اپنی کوششوں کا مکلف ہے ان کے نتائج کا نہیں۔ یہ دنیا صرف دار العمل ہے۔ کوششوں کی جزا کی اصل جگہ آخرت ہے۔ اس دنیا میں اہلِ حق صلحاء بلکہ انبیاء کو بھی کامیابی کبھی ملتی ہے اور کبھی نہیں۔ دنیوی نتائج کا تعلق اللہ تعالیٰ کی وسیع تر مصلحتوں سے ہے اور تنہا وہی ان مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔ لیکن ان کوششوں کی یہ کامیابی بھی کم نہیں کہ ان کی وجہ سے باطل کے خلاف مزاحمت اور سلطان جابر کے خلاف کلمۂ حق کہنے کی ایک پوری تاریخ وجود میں آئی ہے۔ اسلامی تاریخ کی آبرو ان سے قائم ہے جنھوں نے مضبوط ترین طاقتوں کے مقابلہ میں بھی سپر نہیں ڈالی اور بلند ترین مقصد کے لئے انھوں نے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے سے دریغ نہیں کیا۔

صحابہ کرام کی تربیت اور تعلیم سے تیار ہونے والے علماء اور فقہاء دین بھی کبھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام سے غافل نہیں رہے۔ انھوں نے حق کی پرواہ کی اور جان کی پرواہ نہیں کی جب عبد الملک نے اپنے دو بیٹوں کو یکے بعد دیگرے جانشین بنانا چاہا تو مشہور تابعی سعید بن مسیب نے مخالفت کی اور قید و بند کی تکلیفیں اٹھائیں اور کوڑے کھائے۔ حجاج نے جب بصرہ اور کوفہ کے نو مسلموں پر جزیہ لگایا تو علماء نے شدید مخالفت کی اور جب عبد الرحمان بن اشعث نے حجاج کے مظالم کے خلاف بغاوت کی اور امر بالمعروف کا علم بلند کیا تو علماء کی بڑی تعداد نے جن میں سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی اور شعبی جیسے بزرگ شامل تھے، عبد الرحمان کا ساتھ دیا اس حق پسندی کی وجہ سے سعید بن جبیر کو جام شہادت نوش کرنا پڑا اس بغاوت کے سلسلہ میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ امام شعبی جیسے علماء نے جو حکومت کے ساتھ تعاون کرتے تھے، باغیوں کا ساتھ دیا۔ ملوکیت کے اس عہد کے بارے میں امام حسن بصریؒ کہا کرتے تھے

> ”امراء کی تلواریں ہماری زبانوں سے آگے بڑھ گئی ہیں۔ جب ہم گفتگو کرتے ہیں تو وہ ہمیں تلوار سے جواب دیتے ہیں“

امام غزالی نے علماء حق کی بے خوفی اور حق گوئی کے واقعات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے

ھذہ کانت سیرۃ العلماء و
عادتھم فی الامر بالمعروف

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں علماء کا یہی
دستور اور طریقہ تھا وہ بادشاہوں کی سطوت

والنّھی عَن المُنکر و قِلّۃ مُبالاتھم بسَطوۃ السلاطین لکنّھم اتکلوا علی فَضلِ اللہ تعالی ان یحرسھم و رَضوا بحکم اللہ تعالی ان یرزقھم الشھادۃ ۔

اور طاقت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ انھیں اللہ کی رحمت پر بھروسہ تھا کہ وہی ان کا نگراں اور محافظ ہے۔ وہ خدا کے اس فیصلہ پر بھی راضی تھے کہ انھیں شہادت نصیب ہو۔[1]

ایک بنیادی مسئلہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ

جمہور علماء اہلِ سنت حضرت حسینؓ کے اقدام کو درست اور ان کے موقف کو حق سمجھتے ہیں۔ شیعیت کے خلاف محاذ آرائی میں حضرت امام حسینؓ کے اقدام کو ہی غلط ثابت کرنے کی کوشش بڑی غلطی ہوگی۔ یہ مسلک اہلِ سنت والجماعت کا نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج السنۃ میں یہ لکھا ہے کہ یزید کے خلاف حضرت حسینؓ کا اقدام درست نہ تھا یہاں منہاج السنۃ کے اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں جو حضرت حسینؓ کے برسرِ حق ہونے سے انکار کرنے والوں کا بہت بڑا سہارا بن گئے ہیں۔

(۱) یہ بات جان لینے کی ہے کہ صحابہ کرام کا طبقہ ہو یا تابعین عظام کا یا بعد کے زمانوں کے اہلِ بیت یا غیر اہلِ بیت کا ان میں سے بڑے بڑے اہلِ علم و دین سے بعض وقت ایسی نوعیت کا اجتہاد سرزد ہو جاتا ہے جن میں کچھ ظن و وہم اور کبھی کوئی باریک قسم کی ہوائے نفس شامل ہو جاتی ہے۔ ایسا اجتہاد اس شخصیت کی عند اللہ عظمت کے باوجود قابلِ اتباع نہیں ہوتا۔"

(۲) "مسلمانوں کے اکابر اہلِ علم نے ہمیشہ ان خرابیوں کی مخالفت کی ہے مثلاً یزید کے خلاف اہلِ مدینہ خروج پر آمادہ ہوئے تو عبداللہ بن عمرؓ سعید بن مسیب اور علی بن الحسین (زین العابدین) نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ یا ابن الاشعث کی بغاوت کا فتنہ اٹھا تو حسن بصری اور مجاہد وغیرہ نے سمجھایا لہٰذا اہلِ سنت کے یہاں یہ مسئلہ بالکل طے شدہ

---

[1] (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۳۵۱ باب امر بالمعروف والنہی عن المنکر)

ہو چکا ہے کہ فتنے کے وقت میں تلوار اٹھانا مناسب نہیں. علماء اہلِ سنت نے اس مسئلہ کی اس درجہ اہمیت سمجھی ہے کہ اسے عقائد کی فہرست میں داخل کرکے لازم کیا ہے کہ ائمہ و خلفاء کے جور و ستم کا مقابلہ تلوار کے بجائے صبر اور برداشت سے کیا جائے ...... یہی وجہ تھی کہ جب حسینؓ نے عراق جانے کا ارادہ فرمایا تو اکابر اہلِ علم و دین مثلاً ابن عمرؓ ابن عباسؓ ابوبکر بن عبدالرحمان بن حارث بن ہشام نے اس ارادہ کے خلاف مشورہ دیا“[1]

علامہ ابنِ تیمیہ کے ان اقتباسات کے بارے میں ایک خیال تو یہ ہے کہ ان کی حیثیت الزامی جواب کی ہے کیونکہ منہاج السنۃ ایک شیعی عالم حسین بن مطہر کی کتاب منہاج الکرامہ فی معرفۃ الامامۃ کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں ان کی حیثیت اہلِ سنت کی طرف سے وکیل کی ہے۔ لیکن یہ اگر ان کے واقعی خیالات ہیں تو وہ اپنے خیالات میں منفرد اور تنہا ہیں اور ان کے بہت سے شاذ افکار کی طرح یہ بھی ان کا شذوذ ہی ہے اور جس طرح سے ان کے بہت سے خیالات اور نظریات سے اہلِ سنت کو اتفاق نہیں ہے اس نظریہ سے بھی اہلِ سنت کو اتفاق نہیں ہے۔ امام مالکؒ نے روضۂ اطہر کی طرف اشارہ کرکے ایک بار فرمایا تھا کہ اس صاحبِ قبر کی بات کے سوا ہر شخص کی بات قبول بھی کی جا سکتی ہے اور رد بھی کی جا سکتی ہے

کُلٌّ یُؤخذ منہ ویُردُّ علیہ الّا صاحب ھذا القبر

بلاشبہ علامہ ابن تیمیہ کے محاسن و کمالات بہت ہیں۔ ان کا بے مثال حافظہ ان کا غیر معمولی تبحر علمی، ان کی خداداد جرأت و شجاعت دین کے معاملہ میں ان کی غیرت و حمیت، ان کا تقویٰ اور خشیت یہ سب کچھ مسلّم ہے۔ ان کی زبان ابر گوہر بار تھی ان کا قلم تیغ اصیل تھا ان کی حاضر جوابی بے نظیر تھی۔ ان تمام صفات و کمالات کے باوجود جہاں تک میانہ روی اور مسلک کے توازن اور زبان و قلم کی احتیاط کا تعلق ہے اس بارے میں بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے اور بہت سے مستند علماء نے بہت کچھ کہا بھی ہے۔ یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں بہت سے مسائل میں ان کے یہاں شذوذ بھی پایا جاتا ہے روضۂ اقدس کی زیارت اور تطلیقات ثلاثہ وغیرہ

---

[1] منہاج السنۃ ج ۲ ۳ ۱۳ ۱۳ - ۳۱۴

کے بارے میں ان کے تفردات کا علم سب کو ہے۔ یہاں بھی ردِّ شیعت کے جوش میں اعتدال کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹا ہے۔ علم عقاید اور کلام کی کتابوں میں تو حضرت حسینؓ کو برسرِ حق اور یزید کو برسرِ باطل لکھا گیا ہے۔ شرح عقائد نسفی اور متعدد علم کلام کی کتابوں میں یہی مذکور ہے۔ شرح عقائد نسفی میں امام شافعی کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ امام بوجہ فسق معزول ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر امیر اور ہر قاضی کا یہی حکم ہے کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق قابلِ ولایت نہیں کیونکہ وہ اپنی جان کو گناہ سے محفوظ نہیں رکھ سکتا تو رعیت کو کس طرح بچائے گا۔[1]

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام فاسق بھی قابلِ ولایت ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ علماء کے نزدیک مختلف فیہ رہا ہے۔ اور یہ اختلاف ظاہر ہے کہ امام حسینؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے دور کے بہت بعد رونما ہوا۔ جن بزرگوں نے امام کے خلاف اقدام سے روکا ان کی مصلحت یہ تھی کہ مسلمانوں کو خوں ریزی سے بچایا جائے اور خلافت خاصہ نہ سہی خلافتِ عامہ باقی رہے۔ دشمنانِ اسلام کو اسلامی حکومت کی طرف معاندانہ نظر اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ جن بزرگوں نے اقدام کی اجازت دی ہے ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مسلمان ظالموں کے ظلم و جور سے محفوظ رہیں اور عادلانہ نظام خلافت جو شریعت کے اصولوں پر مبنی ہو قائم ہو سکے اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے طرزِ عمل کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ ہم یہاں بعض دوسرے علماء اور محققین کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔

ظالم حکمراں کے خلاف اقدام کے بارے میں علامہ ابنِ حزم کا موقف

علامہ حافظ ابنِ حزم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ شاہانِ حکومت اگر خیانت اور غلط کاری کے مرتکب ہوں تو ان کے خلاف بغاوت واجب ہے کیونکہ۔ لوگ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والے ہیں۔ زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے کوشاں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے جان و مال کا نقصان کرتے ہیں اور معصوم لوگوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ اپنے

---

[1] اردو ترجمہ شرح عقائد نسفی ص ۲۳۶

عیش و آرام کے لئے اور بیت المال کو دولت سے بھر دینے کے لئے مسلمانوں تک پر جزیہ عاید کرتے ہیں اور مسلمانوں سے جزیہ وصول کرنے کے اس ظلم پر یہودیوں کو مقرر کرتے ہیں۔[1]

اس سلسلے میں علامہ ابن حزم نے مزید یہ لکھا ہے کہ جب حکمراں کو شریعت کے دائرے میں واپس لانا اور ظلم وجور سے باز رکھنے کی تمام تدبیریں ناکام ہو جائیں تو اس طریقۂ کار کو اختیار کئے بغیر چارہ نہیں رہتا جسے "العنف الدموی" (خون ریزی) کہتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ خلیفۂ وقت کی اطاعت اور فرمانبرداری کا معاہدہ تو بربنائے کتاب وسنت ہے۔ اگر وہ کتاب وسنت کے مطابق چلیں تو ان کی اطاعت واجب ہے مگر وہ کتاب وسنت دو میں سے کسی ایک سے بھی انحراف کریں تو ان پر حد نافذ کی جائے۔ حد اور حق قائم کیا جائے اور انھیں سزا دی جائے لیکن اگر معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہو کہ معصوم انسانی جانوں کا اتلاف اور کتاب وسنت کے مطابق عمل اور امن وامان ان کو معزول کئے بغیر ممکن نہ ہو تو انھیں منصب خلافت سے برطرف کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی اور کسی دوسرے عادل اور خدا سے ڈرنے والے شخص کو خلیفہ بنایا جائے گا۔ اگر اس سلسلے میں خلیفۂ وقت کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور ہونا پڑے تو تلوار بھی اٹھائی جائے گی اور کتاب وسنت پر مبنی نظام کو بروئے کار لانے کے لئے ظالم حکمراں کو قتل کر دینا واجب ہو جائے گا۔[2]

بعض علماء نے یہ ضرور لکھا ہے کہ ظلم وجور کے خلاف تلوار اٹھانے کے بجائے صبر کا طریقہ اختیار کیا جائے گا اور ہاتھ کے بجائے محض زبان سے حالات کو بدلنے کی کوشش کی جائے گی اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف دل سے برا سمجھا جائے گا۔ اس سلسلے میں یہ علماء بعض احادیث کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ علامہ ابن حزم اس نقطۂ نظر کی پرزور تردید کرتے ہیں اور یہ جواب دیتے ہیں کہ بعض مواقع پر اذیت رسانی اور حکمراں کی طرف سے زدوکوب کرنے کے مواقع پر صبر کی تلقین دلانے والی جو حدیثیں ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ اس صورت حال

---

[1] رسالۃ التلخیص لوجوہ التخلیص صفحہ ۱۷۳ - ۱۷۴

[2] الفصل صفحہ ۱۷۶ - ۱۷۷ ج ۴

کے بارے میں ہے جب خلیفہ نے اپنا نظامِ حکومت کتاب و سنت کے مطابق ترتیب دیا ہو۔ کبھی کبھی اگر اس سے زیادتیاں بھی ہو جائیں تو ان پر صبر کرنا چاہیے۔ لیکن اگر خلیفہ حق کے بجائے باطل پر ہو اور اس کی ستم رانیاں حد سے تجاوز کر جائیں اور اصل دین اور بے گناہ انسان کا خون بہایا جاتا ہو تو اللہ کی اس بات سے پناہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ حق کا خون ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی خاموشی اور صبر کا رویہ اختیار کیا جائے۔[1]

علامہ ابن حزم اپنے موقف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایک حدیث میں ہے جس میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناحق مال چھیننے والے کے بارے میں سوال کیا۔ آپؐ نے یہ جواب دیا "تم اسے اپنا مال ہرگز مت دو" پوچھا گیا! "اگر وہ میری جان کے درپے ہو جائے تو میں کیا کروں؟" آپ نے فرمایا "تم بھی اس سے قتال کرو" پوچھا گیا "اگر میں اس کو قتل کر ڈالوں تو کیا ہوگا؟" آپ نے جواب عنایت فرمایا "وہ مقتول جہنمی ہوگا" پوچھنے والے نے پھر پوچھا "اگر میں قتل کیا جاؤں تو" آپؐ نے فرمایا "تم جنت پا جاؤ گے" یہ حدیث عام ہے۔ سلطان اور غیر سلطان دونوں پر اس کا اطلاق ہوگا۔[2]

علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کسی گوشے سے یہ اعتراض کیا جائے کہ خلیفۂ وقت کے خلاف تلوار اٹھانے سے مسلمانوں کی خون ریزی ہوگی، اہلِ اسلام کا جان و مال ضائع ہوگا اور ممکن ہے حکومت کی فوج سے برسرِ پیکار رہنا پڑے اور شکست ہو اور نتیجہ کچھ نہ نکلے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ظالم حکمران کے خلاف تلوار اٹھانے کے لیے کچھ تو تیاری کرنی ہوگی لیکن جان و مال کے ضائع ہونے کا خطرہ اور اس شکست کا امکان ضرور موجود ہے لیکن شکست کا امکان تو اس جنگ میں بھی ہوتا ہے جو کافروں کے خلاف کی جاتی ہے اور بسا اوقات کافروں کی فوج کی تعداد کئی گنی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ان خطرات کا اعتبار کر لیا جائے تو کافروں کے خلاف جہاد بھی ساقط ہو جائے گا۔ حالانکہ دنیا میں کوئی مسلمان اس کا قائل

---

[1] الفصل صفحہ ۱۷۲، ۱۷۳ ج ۴

[2] الفصل صفحہ ۱۷۳ ج ۴

نہیں۔ اہلِ کفر کے خلاف جہاد کرنے سے اس کا بھی خطرہ ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں مرد اور بچے غلام اور قیدی بنا لئے جائیں اور ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس پر کسی کا اختلاف نہیں کہ اہلِ کفر سے جہاد واجب ہے۔ لہٰذا ان دونوں معاملات میں یعنی کفار کے خلاف جہاد اور بے راہ رو مسلم خلفاء کے خلاف جہاد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا درجہ جہاد کا ہے اور دونوں کا مقصود کتاب و سنت کی عملداری ہے۔[1]

علامہ ابنِ حزم کا خیال ہے کہ اگر مسلمان حکمراں کا معاملہ یہ ہو گیا ہو اس کو کفر اور اہلِ کفر کے ساتھ موالات عزیز ہو اور اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی اس کا شیوہ ہو ایسی صورت میں صبر کی تلقین کرنا روحِ اسلام کی مخالفت ہے۔ ایسے حکمراں کو ان کے نزدیک ہٹانا اور اس سے قتال کرنا فرض ہے۔ البتہ تصادم اور مقابلے کی کوئی شکل نہ رہ جائے اور اہلِ حق بہت ہی کمزور ہوں اور جنگ ناممکن ہو تو پھر صورتحال کے لحاظ سے جو کچھ اور جتنا کچھ ممکن ہو کیا جائے۔[2]

فاسق و فاجر حکمراں کے خلاف کارروائی کے بارے میں امام غزالی کا موقف

جہاں تک پوشیدہ طریقے سے نصیحت اور زبانی تنقید و احتساب کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ یہ بالکل درست کام ہے اور کسی کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن اگر فہمائش و نصیحت کی تمام کوششیں رائیگاں چلی جائیں یا حاکم دین سے دور اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں علانیہ طور پر لاپرواہ ہو اور سمجھانے بجھانے کی کوئی کوشش اس پر کارگر نہ ہو سکتی ہو تو اس صورت میں ایسے حکمراں کے خلاف تادیبی کارروائی کی جا سکتی ہے یا نہیں اس بارے میں امام غزالی یہ لکھتے ہیں۔

> "رعایا کی طرف سے حاکم کے خلاف تادیبی کارروائی کا معاملہ مشکل معاملہ ہے۔ بیٹے کی طرف سے والدین کی اصلاح کی کوشش نسبتاً

---

[1] الفصل صفحہ ۱۷۳ ج ۴

[2] الفصل صفحہ ۱۷۵ جلد ۴

> آسان ہے۔ حاکم کی اصلاح، نصیحت اور خیر خواہی کے کلمات سے چل سکتا ہو تو ٹھیک ہے بحث اس میں ہو سکتا ہے کہ شاہی بیت المال میں غصب کا ناجائز مال موجود ہو تو چڑھائی کر کے زبردستی مال لینا اور مالکوں کے حوالے کرنا ممکن ہے یا نہیں۔ اگر وہ لباسِ حریر زیبِ تن کرتا ہو تو اس کا دامن و گریبان پکڑا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر شراب کی صراحیاں اس کی مجلس میں ہوں تو انھیں زبردستی توڑا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس طرح کا اقدام حاکم کے رعب داب اور ہیبت و حشمت کو کم کرتا ہے۔ جس کی ممانعت شرع میں ہے اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ سب کچھ امرِ منکر ہے اور منکر پر سکوت حرام ہے۔ اب یہاں پر دو متنوع امر ایک دوسرے کے معارض ہوئے تو اس کا حل یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے گا کہ حاکم کا منکر کس درجے کا ہے اور اگر حاکم کے خلاف اقدام کرنے سے اس کی ہیبت ختم ہو جائے گی اور منکر بڑے درجے کا نہیں ہے تو یہاں اس امر کا خیال رکھا جائے گا کہ حاکم کے رعب اور ہیبت کو نہیں ختم کرنا چاہئے لیکن اگر معاملہ دوسرا ہو اور منکر بڑا ہو تو یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس بارے میں تفصیل کو ضبطِ بیان میں لانا مشکل ہے یعنی اس کا تعلق حالات کی نوعیت سے ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے کو اس میں اجتہاد سے کام لینا ہوگا۔[1]

امام غزالی کے مذکورہ بالا بیان سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ اگر اقتدار کی باگ ڈور بالکل ہی غیر شرعی طریقے سے کسی شخص کے ہاتھ میں آ گئی ہو اور وہ خود بھی فاسق اور بدکردار ہو اور اس کا ظلم و جور سے حد سے بڑھ گیا ہو اور اس کی اصلاح کی کوئی تدبیر باقی نہ رہ گئی ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے حکمراں کے رعب اور ہیبت اور احتشام کے باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا ہے

---

[1] احیاء علوم الدین جلد دوم، باب امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

ان کے بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ طاقت کے ذریعے ہی اس منکر کو مٹانا ضروری ہوگا۔

علامہ ابوبکر جصاص کا موقف

،،گذشتہ تمام متقدمین و متاخرین اہل دین و فقہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے واجب ہونے کے قائل ہیں۔ البتہ کچھ بے خبر اور دین سے بے بہرہ لوگوں کا ایک گروہ ہے جن کو اس سے اختلاف ہے وہ ہتھیار اٹھانے اور باغی گروہ سے لڑنے کو فتنہ و فساد سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓء الی امر اللہ (تم باغی جماعت سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے) آیت کے الفاظ صاف تقاضہ کرتے ہیں کہ باغی گروہ سے جنگ کرنا واجب ہے۔ لیکن اس حکم صریح کے باوجود دین سے بے بہرہ حشویہ کا گروہ کہتا ہے کہ حاکم وقت اگر ظلم و جور اور قتل نفس جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے جیسے منکرات کا بھی ارتکاب کرے تو اس پر نکیر نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر غیر حاکم سے ان کا ارتکاب ہو تو زبان یا ہاتھ سے نکیر کا حق ہے مگر اس صورت میں بھی ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ گمراہ طبقہ دین کے دشمنوں سے بھی زیادہ برا ہے کیونکہ اس گروہ نے لوگوں کو باغی گروہ سے جنگ اور حاکم کے ظلم و جور پر نکیر کرنے سے روک دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہایت فاسق اور فاجر بلکہ دشمن اسلام تک اقتدار پر غالب آگئے ہیں سرحدیں خراب ہو رہی ہیں ظلم پھیل رہا ہے، شہر برباد ہو رہے ہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنے اور سلطان جائر پر نکیر نہ کرنے کا[لہ]

[لہ] احکام القرآن جلد دوم صفحہ ۲۴۳

ابوالمعالی امام الحرمین کا نقطۂ نظر

مسلم کی مشہور حدیث ہے

من رأى منكم منكراً فليغيّره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان

تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ اسے ہاتھ سے (قوت وطاقت کے استعمال سے) مٹا دے اور اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان سے منکر کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اپنے دل سے برا سمجھے اور صرف اپنے دل سے برا سمجھنا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

امام نوویؒ اپنی شرح مسلم میں امام الحرمین کا قول نقل کرتے ہیں

واذا جار والی الوقت وظهر ظلمه وغشمه ولم ينزجر حين زُجر عن سوء صنيعه بالقول فلاهل الحل والعقد التواطؤ على خلعه ولو بشهر الاسلحة ونصب الحروب هذا كلام امام الحرمين

وقت کا حکمران اگر ظلم پر کمربستہ ہو اور ظلم وجور کا پہلو بہت نمایاں ہو اور زبان سے روکے جانے پر بھی وہ اپنے کرتوت سے باز نہ آئے تو یہ ارباب حل وعقد کی ذمہ داری ہے کہ اسے اقتدار سے بے دخل کرنے پر متحد ہوں خواہ اس کے لئے اپنی ہتھیار ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے اور جنگی اقدامات ہی کیوں نہ کرنے پڑیں۔ یہ امام الحرمین کے الفاظ ہیں۔[1]

واقعۂ کربلا کی دینی وشرعی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے علماء دین کے یہ بیانات کافی ہیں۔ یقیناً عزیمت کی راہ یہی ہے اور حضرت حسینؓ کا اقدام عزیمت علماء اور محققین کے درمیان متفق علیہ مسئلہ رہا ہے اور اس میں سے کسی کے شاذ نظریات سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ ہم یہاں حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسے بزرگوں کے اقدامات

---

[1] شرح مسلم للنووی جلد ۱ صفحہ ۵۲

کی شرعی صحت کو ثابت کرنے کے لئے مرویات حضرت عمرؓ میں سے ایک روایت کو پیش کرنا چاہتے ہیں کہ جس کے بعد کسی کے قول کو پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

حضرت عمرؓ کی حدیث

ایک حدیث ہے جس میں حضرت عمرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان فرمایا ہے:

انه تصيب في امتي في آخر الزمان من سلطانهم شدائد لا ينجو منه الى رجل عرف دين الله فجاهد عليه بلسانه ويده وقلبه فذلك الذي سبقت له السوابق ورجل عرف دين الله فصدق به ورجل عرف دين الله فسكت عليه فان رأى من يعمل الخير احبه عليه وان رأى من يعمل بباطل ابغضه عليه فذلك الذي ينجو على ابطانه كله

یقیناً آخر زمانے میں میری امت کو ان کے بادشاہوں کی جانب سے سختیاں لاحق ہوں گی اس سے وہی شخص نجات پائے گا جس نے خدا کے دین کو پہچانا اور اس کے لئے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ اور اپنے قلب سے جہاد کیا۔ بس یہی شخص ہے جس کے لئے خدا کی رحمت اور دنیوی واخروی سعادت آگے بڑھے گی۔ اس کے بعد مرتبے کے لحاظ سے وہ شخص ہے جس نے خدا کے دین کو پہچانا (زبان و دل سے) دین کی تصدیق کی پھر اس کے بعد مرتبے کے اعتبار سے وہ شخص ہے جس نے دین کے قدروں کو پہچانا اور خاموشی سے اختیار کی اور جو شخص کسی کو نیک کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کی نیکی کی وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے اور کسی کو باطل کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس شخص سے نفرت کرتا ہے تو ایسا شخص بھی نجات پانے والوں میں سے ہوگا کیونکہ اس نے حق کی محبت اور باطل سے نفرت کو اپنے دل میں چھپائے رکھا۔[1]

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الادب فی الامر بالمعروف ونہی عن المنکر

اس مقام پر اس مشہور حدیث کا نقل کر دینا بھی مناسب ہوگا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الا لا یمنعنّ رجلاً مهابة الناس	کسی شخص کو لوگوں کا خوف اور دبدبہ حق بات
ان یتکلم بالحق اذا علمه الا انّ	کہنے سے ہرگز نہ روکے جبکہ وہ اس کو جانتا ہو
افضلُ الجهاد کلمة حق عند	ہاں سن لو کہ سب سے ثواب والا جہاد ظالم بادشاہ
سُلطانٍ جائر	کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے ۱؎

ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت کو سب سے بڑا جہاد کیوں قرار دیا گیا ہے اس سلسلے میں علامہ خطابیؒ کہتے ہیں ۔

> " یہ سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد اس لئے ہے کہ جو شخص دشمنِ اسلام سے جہاد کرتا ہے وہ امید اور خوف کے درمیان متردد ہوتا ہے ۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ فاتح ہوگا یا مفتوح (یعنی اس کے شہادت پانے کا بھی امکان ہے اور کامیاب ہونے کا بھی امکان ہے) البتہ جو شخص ظالم بادشاہ پر تنقید کرتا ہے تو اس کے ہاتھوں مجبور ہے جب وہ اس کے سامنے حق کا اظہار کرے گا اور معروف کا حکم دے گا تو اس طرح سے وہ اپنی ہلاکت اور بربادی کے درپے ہوگا ۔ خوف کے پہلو کے غالب ہونے کی وجہ سے یہ جہاد کی سب سے برتر قسم قرار پائی ۔ ۲؎

اعتدال کی راہ

بلاشبہ صحیح احادیث میں امراء و حکام کی اطاعت کا حکم موجود ہے ۔ اور عام حالات میں ان احادیث کی روشنی میں ان سے بغاوت یا ان کے خلاف خروج درست نہیں ۔ لیکن جب صورت حال یہ ہو کہ اسلام کے صحیح نظام کا حلیہ بگڑ رہا ہو یا دین کی بنیادیں متاثر ہو رہی ہوں

۱؎ مسند احمد و ترمذی کتاب الفتن

۲؎ معالم السنن جلد ۴ صفحہ ۳۵۰

اور وقت کا فرماں روا جس کی حکومت کی اصل ذمہ داری اقامت صلوٰۃ ہو نماز کے بارے میں لاپرواہی کا شکار ہو اور ہوس و ہوا کا اسیر ہو کر رہ گیا ہو تو پھر یہ اہل عزیمت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ خاموش نہ رہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔ امیر و حاکم کی اطاعت بھی ضروری ہے لیکن اس کا وجود اگر فتنہ بن جائے تو اصلاح و درستی کی کوشش بھی ضروری ہے امام نووی نے جو صحیح مسلم کے شارح ہیں کتاب الامارہ باب وجوب اطاعت الامراء میں دونوں اقوال نقل کئے ہیں۔ ایک قول ہر حالت میں اطاعت و انقیاد کا ہے اور دوسرا قول یہ ہے

وقد ردّ علیہ بعضہم ھذا بقیام الحسین وابن زبیر (ای خروجہما علی یزید) واھل المدینۃ علی بنی امیہ وبقیام جماعۃ عظیمۃ من التابعین والصدر الاول علی الحجاج مع الاشعث۔

بعض حضرات نے اس قول کا رد کیا ہے اور یزید کے خلاف حسین بن علی اور ابن زبیر کے اقدام سے اور اہل مدینہ کے بنی امیہ کے خلاف بغاوت سے اور تابعین کی اور صدر اول کی ایک بہت بڑی جماعت کی حجاج کے خلاف بغاوت سے اور اشعث کی طرفداری سے حجت اور دلیل پیش کی۔[1]

یعنی حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تابعین عظام اور اہل مدینہ کے صلحاء کا بنی امیہ کے خلاف اقدام ایک نظیر ہے کہ جب ایوانِ حکومت میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہو اور سربراہِ مملکت کی رند مشربی اور عیش کوشی کے اثرات معاشرے پر پڑ رہے ہوں اور شورائی نظام کی جگہ استبدادی نظام جگہ لے رہا ہو تو وہ سرفروشانہ اقدام بھی کیا جا سکتا ہے۔ جس کی نظیر امام حسین نے پیش کی۔

صدر اول کی تاریخ میں ایک نظیر حضرت حسنؓ کی ہے اور دوسری حضرت حسینؓ کی۔ بالفاظِ دیگر تاریخ یہ سبق دیتی ہے کہ جب حضرت معاویہؓ جیسی شخصیت میدان میں ہو تو حضرت حسن

---

[1] شرح صحیح مسلم ج دوم صفحہ ۱۲۵

کے اسوہ کو اختیار کرنا چاہئے لیکن اگر مقابلہ یزید سے ہو تو عزیمت کی بات وہی ہے جو حضرت حسینؓ کا موقف ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کے اقتباسات سے ان کا جو موقف بظاہر معلوم ہوتا ہے وہ نہ تو اعتدال کی راہ ہے اور نہ یہ جمہور امت کا مسلک ہے ناصبیوں کے گروہ نے اہلِ بیت کی دشمنی میں یہ موقف ضرور اختیار کیا ہے اس سلسلہ میں ایک مثال قاضی ابن عربی کی ہے جن کے بارے میں تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تصریح کی ہے کہ وہ ناصبی ہیں ورنہ علماء اور محدثین اور فقہاء حضرت حسینؓ کے اقدام کو درست ہونے پر اور یزید کی خلافت سے اختلاف پر گویا متفق ہیں۔ یہاں شارح بخاری حافظ ابنِ حجرؒ کا قول نقل کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کا موقف حسینؓ و یزید کے بارے میں

حافظ ابنِ حجر عسقلانی فتح الباری میں ابنِ تیمیہ کے موقف کے بالکل برخلاف حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کو دینی بصیرت کے اعتبار سے درست اور اعلاءِ کلمۃ اللہ سے اسے وابستہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ”ایک قسم ان حضرات کی ہے جو حکام کے ظلم وستم اور سنتِ نبوی پر ان کے عمل نہ کرنے کی بناء پر دینی غیرت وحمیت میں نکلے۔ یہ سب اہلِ حق ہیں۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور اہلِ مدینہ جنھوں نے مقامِ حرہ میں جہاد کیا اور وہ تمام اہلِ علم و دین جو حجاج سے برسرِ پیکار ہوئے جن کا شمار اہلِ حق میں ہیں اور حق ان ہی کے ساتھ تھا۔“[1]

خروج کے بارے میں اور تلوار اٹھانے کے سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر کیا ہے اس کی توضیح کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں۔

> ”جو کسی ایسے حکمراں کی اطاعت سے نکلے جو ظالم ہو اور اس شخص کی جان یا مال

---

[1] فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۴۰

یا اہل و عیال پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہو ایسا شخص معذور ہے اور اس شخص سے قتال حلال نہیں اور اس شخص کو اپنی طاقت کے مطابق اپنی جان و مال اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے دفاع کا حق حاصل ہے چنانچہ طبری نے بسند صحیح عبداللہ بن حارث سے روایت کیا ہے اور وہ بنی معفر کے ایک شخص کے ذریعہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہوئے جو خلیفہ کے خلاف خروج کرتے ہیں فرمایا کہ اگر یہ لوگ امام عادل کے خلاف خروج کریں تو ان سے قتال کرو اور اگر ظالم حکمران کی مخالفت کریں تو ان سے قتل و قتال نہ کرو کیونکہ ان کو کہنے کا حق حاصل ہے۔"

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

"اور اسی صورت پر محمول ہوگا جو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا اور پھر مقام حرہ میں اہل مدینہ کے ساتھ تھا اور پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اور ان علماء کے ساتھ جنھوں نے عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث کے واقعہ میں حجاج کے خلاف خروج کیا تھا کہ ان سب حضرات سے قتال ناجائز تھا۔"[۱]

انعقادِ امامت کا مسئلہ اور یزید اور اسلام کا اصولِ حکمرانی

بعض علماء کے نزدیک یزید کی خلافت بھی مکمل طور پر منعقد نہیں ہوئی کیونکہ تمام ارباب حل و عقد کی بہ رضا و رغبت بیعت پائی نہیں گئی۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ارباب حل و عقد کا اجماع شرط ہے۔

الامام الذی یجتمع قول اہل الحل والعقد علیہ کلہم

امام وہ ہے جس پر تمام حل و عقد کے قول کا اتفاق ہو۔[۲]

---

[۱] فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۵۳ - ۲۵۴

[۲] الاحکام السلطانیۃ للقاضی ابی یعلی الحنبلی صفحہ ۸

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انعقادِ خلافت کے لئے اہلِ ایمان کا اور خاص طور پر اہلِ صلاح وتقویٰ کا اتفاق ضروری ہے یہ بات خود انھوں نے خلیفۂ عباسی منصور کے سامنے کہی تھی:

ما اجتمع عليك اثنان من اهل التقوىٰ والخلافة تكون باجتماع المؤمنين ومشورتهم [1]	تمھاری خلافت میں دو اہلِ تقویٰ کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ خلافت مومنین کے اجتماع اور مشورے سے منعقد ہوتی ہے۔

امامت کے شرطوں میں بعض علماء نے عدالت اور دین میں افضلیت کی شرط بھی لگائی ہے زیادہ تر علماء کے نزدیک یہ شرط ساقط بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ عامۃ المسلمین امام سے راضی اور اس کی خلافت پر دل سے مطمئن ہوں۔

وهو ان تكون النفوس قد سكنت اليه وكلمتهم عليه اجمع [2]	نفوس اس کی طرف سے راضی اور مطمئن ہوں اور اس کے بارے میں اجماع کلمہ ہو چکا ہو۔

اگر خلیفہ اپنی زندگی میں مسلمانوں میں سے کسی ممتاز شخص کو اپنا جانشین بنائے تو جانشین کے اندر بھی شرائط امامت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور ان شرائط میں استمرار اور دوام ہونا چاہئے۔

ويُعتبر في المعهود اليه شروط الامامة وقت العهد اليه واستدامتها الى مابعد المولى [3]	جس شخص کو جانشین اور ولی عہد بنایا جائے اس کے لئے بوقتِ ولیعہدی شرائطِ امامت پر پورا اترنا چاہئے اور جانشین بنانے والے کی وفات کے بعد بھی ان شرائط کو پایا جانا چاہئے۔

ان شرائط کو اگر مدِ نظر رکھا جائے تو یزید لائقِ امامت ہی نہ تھا چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

---

[1] ابوحنیفہ للشیخ ابی زھرہ صفحہ ۱۴۵

[2] الاحکام السلطانیۃ ۴

[3] الاحکام السلطانیۃ صفحہ ۹

> "باجماع مؤرخین ثابت ہے کہ جب حضرت امام حسینؓ نے یزید کو باطل پر جانا اور لائقِ امامت کے نہ دیکھا...... تو یزید کی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ یزید کے لشکر سے لڑے اور اپنے اصحاب سمیت درجۂ شہادت کو پہنچے"[1]

تنہا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نہیں بلکہ ان کے بعد بھی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ تک تمام بزرگوں کا یہی عقیدہ رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا فصل پنجم میں شہادت امام حسینؓ اور واقعۂ حرہ سے متعلق کتاب الفتن کی متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی ہے جس میں انھوں نے یہ کہا ہے:

اعوذ باللہ من رأس الستین وامارۃ الصبیان۔	میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں سنہ ۶۰ھ کے شروع ہونے اور لونڈوں کی حکومت سے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یشیر الی خلافۃ یزید بن معاویہ لانہا کانت سنۃ ستین من الہجرۃ	اس کا اشارہ یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف ہے کیونکہ اس کی حکومت سنہ ۶۰ھ میں قائم ہوئی تھی"[2]

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی سیرۃ النبیؐ جلد سوم میں جو معجزات پر مشتمل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے باب میں اس طرح کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں اشارہ یزید کے فتنہ کی طرف ہے۔ کتاب الفتن کی ان احادیث کی وجہ سے علماء اور محققینِ دین کو اس نتیجے تک پہنچنے میں آسانی ہوئی کہ حق امام حسینؓ کے ساتھ تھا۔ اور یہ کہنا کہ یزید کوئی ایسا باطل نہ تھا کہ جس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جا سکتی نہایت نادرست قول ہے۔ اس

---

[1] تحفۂ اثنا عشریہ در خواص مذاہب شیعہ

[2] فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۳

موضوع پر مولانا قاسم نانوتویؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے چند اقتباسات یہ ہیں:

„جس وقت حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا اس کا فسق ظاہر نہ تھا اگر کچھ کیا ہوگا تو در پردہ جس کی خبر امیر معاویہؓ کو نہ تھی۔"

„امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید نے ہاتھ پیر پھیلائے اور دل و جان سے برائی میں لگ گیا۔ برائی کا اعلان شروع کر دیا۔ نماز چھوڑ دی بس بعض مقدمات گزشتہ کی بناء پر معزول کرنے کے لائق ہو گیا۔"

„شاید اس وقت ارباب حق و عقد کی رائیں اور تدبیریں الگ ہو گئیں کسی پر فتنہ و فساد کا اندیشہ غالب آگیا۔ اور بدرجۂ مجبوری بادلِ ناخواستہ بیعت قبول کر لی ..... اور جس کو ایک جماعت کثیر کے وعدوں پر معزول کر دینے میں کامیابی کی امید دکھائی دی اس نے خدا کے بھروسے پر لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ اختلاف محض امیدوں اور اندیشوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے اہلِ کوفہ کی غداری کی وجہ سے حضرت امام حسینؓ کی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اور عاشورہ کے دن میدانِ کربلا کے اندر قیامت سے پہلے قیامت قائم ہو گئی۔"

„موجودہ صورت میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت میں کیا شبہ ہے یزید تو آپ کا خلیفہ تھا اور نہ یزید پر خروج کرنا ناجائز تھا۔ اور اگر خلیفہ تھا بھی تو بھی اس پر خروج ممنوع نہ تھا[1]"

خلافتِ راشدہ کا عہد اسلامی خلافت کے لئے اسوہ اور معیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر کسی کا اختلاف نہیں۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے یہ ایک زریں عہد ہے۔ کامیابی مقدر ہو یا نہ ہو اس کی بازآفرینی اور بازیابی کی آرزو سے کسی مسلمان کا دل کبھی خالی نہیں رہا ہے۔ بہت سے اہلِ عزیمت نے اس اعلیٰ اور مثالی نمونے کے قریب ہونے کی کوشش اپنے اپنے زمانہ میں کی ہے۔ انسان صرف اس سعی و کوشش کا مکلف ہے کہ جہاں تک ہو سکے خلافتِ راشدہ سے مشابہت رکھنے والا اجتماعی نظام قائم ہو جائے

---

[1] قاسم العلوم ج۲ صفحہ ۱۲ بحوالہ مکاتیب شیخ الاسلام از مولانا حسین احمد مدنیؒ۔

اسلام کی تاریخ میں ان کوششوں کے نتیجہ میں وہ وقفے ملتے ہیں۔ جن سے خلافتِ راشدہ بابرکت زمانہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کی ہدایت اور تذکیر کی کوششیں حکمرانوں کی غلط کاریوں پر انھیں ٹوکنا اور تمام اندیشوں کے باوجود کلمۂ حق زبان پر لانا اسی تپش آرزو کی موجودگی کی علامت ہے جو ایک مومن کو بے چین رکھتی ہے۔ یہ بات تاریخی طور پر مسلّم ہے کہ یزید کی ولیعہدی کے ذریعہ خلافت راشدہ کے اجتماعی نظام سے انحراف پایا گیا تھا۔ اس ولیعہدی کی تحریک جس نے بھی پیش کی ہو اسے اجتہاد کی غلطی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ نہ صرف اس لئے کہ زبانِ نبوی نے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا تھا بلکہ اس لئے بھی کہ وہی اصولِ حکمرانی قرآنی آیتوں کے ذریعہ بھی صحیح قرار پاتے ہیں جو عہد خلافت راشدہ میں پائے جاتے تھے۔

ان اللّٰه یأمرکم ان تؤدّوا الامٰنٰت
الٰی اهلها واذا حکمتم بین الناس
ان تحکموا بالعدل، انّ اللّٰه نعما
یعظکم به، انّ اللّٰه کان سمیعًا
بصیرًا ٥ یاایها الذین اٰمنوا
اطیعوا اللّٰه واطیعوا الرسول
واولی الامر منکم فان تنازعتم
فی شیءٍ فردوه الی اللّٰه والرسول
ان کنتم تؤمنون باللّٰه والیوم
الاخر، ذالک خیر واحسن تاویلا ٥

بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم (ہر قسم کی) امانتیں
ان لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل اور حقدار ہیں
اور اے حاکمو۔ جب تم لوگوں کے درمیان
فیصلے کرو تو عدل و انصاف سے کرو۔ بے شک
اللہ تمھیں کیا خوب نصیحت فرماتا ہے
اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ اے ایمان والو اللہ کی
اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور
اولوالامر کی اطاعت کرو پس اگر تمھارے درمیان
(تمھارے اور اولوالامر کے درمیان) کسی بات پر
نزاع ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف حتمی
فیصلہ کے لئے لوٹا دو اگر تم اللہ اور روز آخرت
پر ایمان رکھتے ہو تو یہ بہتر ہے اور اس کا
انجام سب سے اچھا ہے [1]

---

[1] النساء ۵۸ - ۵۹

تحت اقتدار منصب اور حکومت ذاتی جائداد اور ملکیت کسی کی نہیں یہ ایک امانت اور ٹرسٹ ہے۔ اس آیت کی روشنی میں ان امانتوں کو صرف ان کے سپرد کرنا چاہیے جو امانتوں کے اہل اور حق دار ہیں۔ غیر مستحق اور نا اہل افراد کو یہ امانت سپرد نہیں کرنی چاہئے۔ لفظ امانت اپنے اندر ایک جہانِ معنی رکھتا ہے اور اس آیت سے اسلام کے سیاسی نظام کے بہت سے اصول مستنبط کئے جاسکتے ہیں

① — اسلام میں حکومت شخصی اور موروثی نہیں ہے بلکہ ایک امانت ہے۔

② — حکومت کے مالک حکام نہیں بلکہ غیر حکام ہیں جو کسی شخص کو سپرد کرکے اسے حاکم بناتے ہیں۔ اس لئے اقتدار و حکومت کا تحقق غیر حکام کی سپردگی کے ذریعہ ہوگا بالفاظِ دیگر اس حکومت کو نمائندہ اور منتخبہ ہونا چاہئے۔

③ — منصب حکومت پر صرف حقدار اور اہل (الی اهلها) شخص کو بٹھانا چاہئے۔

④ — حکام کے لئے عدل و انصاف کا حکم ہے یعنی ظلم و جور کی وجہ سے یا اہلیت کے مفقود ہوجانے کی وجہ سے یہ معاہدہ قابلِ تنسیخ ہوسکتا ہے۔

⑤ — حاکم اور محکوم یکساں طور پر خدا اور رسول کے قانون کے تابع ہیں۔

⑥ — محکوم کو حاکم سے نزاع و اختلاف کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کی بنیاد قرآن و سنت ہو۔

⑦ — قرآن و سنت کی روشنی میں اس نزاع کا فیصلہ ہوگا۔ قرآن و سنت کو حتمی اور قطعی حیثیت حاصل ہے۔

⑧ — قرآن و سنت پر مبنی فیصلہ کرنے والی عدالت کو حاکم کے اثر سے آزاد ہونا چاہیے۔

⑨ — صلاح و فلاح صرف اس نظام میں ہے جس کے اصول اوپر بتائے گئے۔

علماء اور محققین نے خلیفۂ اسلام کے لئے متعدد شرطیں بیان کی ہیں مسلمان ہونا آزاد ہونا عاقل و بالغ ہونا عادل اور عالم ہونا قریشی ہونا جنگی اور انتظامی امور میں باصلاحیت ہونا اور فاسق و فاجر نہ ہونا یہ سب شرطیں ہیں۔ بعض شرطوں میں اختلاف ہے اور بعض میں اختلاف نہیں ہے اس پر کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جائے گی۔

اختلاف اس میں ہے کہ فسق بعد میں پیدا ہوا یا فسق کی خبر نہ تھی تو بیعت ختم کی جا سکتی ہے یا نہیں ایک قول یہ ہے کہ صرف کفر کے ظاہر ہونے اور اقامت۔ صلوٰۃ کے ذکر نے پر یا شریعت کے کسی حکم کے نہ ماننے پر بیعت ختم کی جا سکتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر کفر نہ بھی ہو لیکن فسق ظاہر اور معلوم ہو تو بیعت ختم کی جا سکتی ہے۔

اب اس زمانہ میں جو نبوت سے قریب تھا اور ان لوگوں کی موجودگی میں جنھوں نے نبوت کا اور خلافتِ راشدہ کا زمانہ پایا تھا قرآن کے عطا کردہ اصولوں سے خلفاء راشدین کے بابرکت طریقوں سے اگر کوئی انحراف پایا جائے اور ان نفوس قدسیہ کی آنکھوں کے سامنے ایسے شخص کو مسندِ حکم رانی پر بٹھا دیا جائے جس کا دامن داغ داغ ہے اور پھر کوئی اضطراب نہ ہو اور مقاومت کے لئے کوئی کھڑا نہ ہو اور کوئی اس نظام کو چیلنج نہ کرے یہ بات عقلِ عام کے بھی خلاف ہے اور دینی ضمیر کے بھی خلاف ہے۔

زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا ترا

وہ فاسقانہ ثقافت جو یزید کے دور اور اس کے دربار میں پروان چڑھ رہی تھی تاریخ کی بے شمار کتابیں اس کی گواہ ہیں۔ یزید کے فسق و فجور کی بے شمار روایتوں کا انکار بعض اہلِ قلم نے یہ کہہ کر کیا ہے کہ جن معتبر شخصیتوں نے یزید کے ہاتھ میں بیعت سے انکار کیا تھا ان کی زبان سے یزید کے فسق و فجور کی کوئی بات رکارڈ میں نہیں ہے اور ان کی زبان سے ہمیں کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا جس سے اس کی بدکرداری کی شہرتِ عام کی تصدیق ہوتی ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ زمانہ تو خیر القرون سے بہت قریب تھا۔ آج کے گئے گزرے دور میں بھی اہلِ دل علماء اور اصفیاء کی مجلسیں لوگوں کی بدکرداری کے ذکر سے خالی ہوتی ہیں اور فسق و فجور کا تذکرہ ان کی ثقاہت کے منافی ہوتا ہے۔ ان باتوں کا تذکرہ ان کی زبان پر بدرجۂ مجبوری اور بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت آتا ہے اور صراحتاً کم اشارتاً زیادہ۔ امام حسینؓ نے شہادت سے پہلے جو خطبہ دیا ہے جس میں انھوں نے اپنے اقدام کی شرعی اہمیت بیان کی اس میں بھی یزید اور اس کے حلقہ بگوشوں کے کردار کی طرف اشارہ موجود ہے۔

"لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم، محرماتِ الٰہی کو حلال کرنے والے خدا کے عہد کو توڑنے والے خدا اور رسول کے مخالف اور خدا کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولاً و عملاً اس پر غیرت نہ آئی تو خدا کو حق ہے اس شخص کو اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کر دے۔ لوگو! خبردار ہو جاؤ ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی اور رحمان کی اطاعت چھوڑ دی ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدود الٰہی کو معطل کر دیا ہے، مالِ غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے اس لئے مجھ کو غیرت میں آنے کا زیادہ حق ہے"[1]

حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر نے اہلِ مکہ کے سامنے تقریر کی اس تقریر میں انھوں نے حضرت حسینؓ کے مقامِ عظمت کو موثر انداز میں بیان کیا ہے اور یزید کے دامن کو معصیت سے آلودہ قرار دیا ہے۔

اما واللہ لقد قتلوہ طویلاً بالیل قیامہ کثیراً فی النہار صیامہ احق بماھم فیہ منہم واولی بہ فی الدین والفضل اما واللہ ما کان یبدل بالقرآن الغناء ولا بالبکاء من خشیۃ اللہ الحداء ولا بالصیام شرب الحرام ولا بالمجالس فی حلق الذکر الرکض فی تطلاب الصید (یعرض بیزید) فسوف یلقون غیاً۔[2]

خدا کی قسم انھوں نے اس حسین کو قتل کیا جو رات کو دیر تک نمازوں میں کھڑے رہتے اور دن میں کثرت سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو ملا ہے وہ اس کے ان سے زیادہ حقدار اور دین و فضل کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے بخدا وہ تلاوتِ قرآن کے بجائے گانے بجانے اور خوفِ الٰہی سے رونے کے بجائے نغمہ و سرود کا شغل نہیں رکھتے تھے نہ روزوں کے بجائے شراب نوشی میں مصروف رہتے تھے۔ نہ ذکرِ الٰہی کی مجالس کو چھوڑ کر شکار کی جستجو میں گھوڑے کو ایڑ لگایا

---

[1] ابن کثیر ج ۳ [2] طبری ۴۷۳

کرتے تھے (یہ سب باتیں یزید پر طنز تھیں) سو یہ لوگ عنقریب آخرت کی بربادی سے دوچار ہوں گے۔

بلاذری کی روایت میں حضرت عبداللہ بن زبیر کا جو بیان ہے اس میں یزید کے کردار کے بارے میں صراحت پائی جاتی ہے۔

فبسط ابن الزبیر لسانہ فی یزید بن معاویہ تنقصہ وقال بلغنی انہ یصبح سکران ویمسی کذلک [1]

عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید بن معاویہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے تو یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ وہ نشہ کی حالت میں صبح اور نشہ کی حالت میں شام کرتا ہے۔

یزید کی تنقیص و مذمت پر ائمہ دین و علماء اسلام صدیوں سے متفق رہے ہیں اور جس کی شخصیت اہلِ دین کی نظروں میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت رہی ہے، اور واقعۂ کربلا اور واقعۂ حرہ کے بعد جس کی تعریف و تحسین کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اس دور میں بعض اہلِ قلم اپنے سوادِ قلم سے اس کے سیاہ چہرہ کو پُرکشش بنانے اور سواد کو بیاض سے بدلنے کی سعی لاحاصل میں لگے ہوئے ہیں اور بالواسطہ طور پر ان صحابہ کرام کو بھی مجروح کر رہے ہیں جو میدانِ کربلا میں اور مدینہ منورہ میں یزید کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔

خود یزید کے بیٹے معاویہؒ بن یزید کی شہادت

تقلد ابی الامر وکان غیر اھلہ ونازع ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقصف عمرہ وانبتر عقبہ وصار فی قبرہ رھیناً بذنوبہ بکی وقال

میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس کا اہل ہی نہ تھا۔ اس نے رسول اللہؐ کے نواسے سے نزاع کی۔ آخر اس کی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہوگئی اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں کی ذمہ داری لے کر دفن ہوگیا۔ یہ کہہ کر

---

[1] انساب الاشراف ج ۴ ۳ ۳۱

ان من اعظم الامور علينا علمنا بسوء مصرعه وسوء منقلبه وقد قتل عترة رسول الله واباح الخمر وخرب الكعبه [1]

رونے لگے جو بات ہم پر سب سے گراں ہے وہ یہی ہے کہ اس کا برا انجام اور بری عاقبت ہمیں معلوم ہے۔ اس نے رسول اللہ کے قرابت داروں کو قتل کیا شراب کو حلال کیا اور بیت اللہ کو ویران۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی شہادت

حدثنا نوفل بن ابي اقرب كنت عند عمر بن عبد العزيز فذكر رجل يزيد بن معاويه فقال اميرالمومنين يزيد فقال له عمر تقول اميرالمومنين فامر به فضرب عشرين سوطاً [2]

ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر تھا کسی شخص کی زبان سے یزید بن معاویہ کا ذکر کرتے ہوئے (احتراماً) امیرالمومنین یزید کے الفاظ نکل گئے اس پر عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا تو اس کو امیرالمومنین کہتا ہے؟ پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کو بیس کوڑے لگائے جائیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

علامہ ابن تیمیہ کی شہادت

كونه عادلاً في كل اموره مطيعاً لله في جميع افعاله ليس اعتقاد احد من ائمة المسلمين۔ [3]

یزید اپنے معاملات میں عادل تھا یا اپنے عمل و کردار میں خدا کا فرماں بردار تھا یہ ائمہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں۔

---

[1] الصواعق المحرقہ ص ۱۳۲

[2] لسان المیزان۔ ترجمہ یزید بن معاویہ ۲۹۳ ۔ [3] منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۴۰ ۲۰۳

"وضع الید فی الید" کی روایت

حضرت حسینؓ کی پیش کردہ شرطوں میں سے ایک شرط وضع الید فی الید کو کچھ لوگ اپنے موقف کے لئے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آخر میں حضرت حسینؓ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے بھی تیار ہو گئے تھے۔ عربی زبان و ادب کے ذخیرے سے ایک جملہ بھی ایسا نہ مل سکے گا جس سے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا مفہوم بغیر کسی قرینے کے بیعت سمجھا جائے۔ دنیا کی دو بڑی طاقتوں کے سربراہ جب باہم ملتے ہیں تو وضع الید فی الید کا واقعہ پیش آتا ہے۔ لیکن وہاں کوئی کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا۔ فریق مخالف کے لوگ بھی گفتگو کے لئے باہم ملتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں اور پنجہ آزمائی سے لے کر مباہلہ تک کے لئے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا جاتا ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ امام حسینؓ جیسی شخصیت جو شروع سے بیعت کے خلاف ہو کرب و بلا کے اندیشے سے فوراً بیعت کے لئے یا سر جھکانے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے سے مراد نہ تو بیعت و انقیاد ہے اور نہ مقابلہ و پنجہ آزمائی بلکہ مراد اصل حریف سے نفس معاملہ پر گفتگو ہے۔ اصل عربی عبارت یہ ہے:

ان اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ فیری فیما بینی و بینہ رایہ	میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دوں پھر وہ دیکھے میرے اور اس کے درمیان اس کی کیا رائے ہوتی ہے۔

اس عبارت سے بیعت مراد نہیں بلکہ نفس قضیہ پر گفتگو مراد ہے۔

امام حسینؓ کی وضع الید فی الید کی تجویز بعینہٖ وہی تجویز ہے جو حُر بن یزید تمیمی نے پیش کی تھی۔ مقام ذی حشم میں وہ جب ایک ہزار سپاہ کے ساتھ آپ سے ملا تو اس نے یہ کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ نہیں چلتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو عراق اور حجاز دونوں کے راستے سے جدا ہو۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں آپ یزید کو لکھئے ممکن ہے مفاہمت کی صورت نکل آئے اور میں بھی آزمائش سے بچ جاؤں۔ امام حسینؓ اس تجویز پر راضی ہو گئے۔ یہی وہ تجویز تھی جسے

وضع الید فی الید کے الفاظ میں امام حسینؓ نے پیش کی تھی۔ اس سے مفاہمت کی گفتگو مراد ہے نہ کہ بیعت۔

اگر وضع الید فی الید سے مراد بیعت انقیاد ہوتی تو اس تجویز کو قبول کرنے کے بعد فوراً وہ خطبہ نہ دیتے جو اوپر نقل کیا گیا ہے اور جس میں اپنے اقدام کی شرعی اہمیت انھوں نے پوری قوت کے ساتھ پیش کی اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملک گیری کی ہوس کے لئے نہیں نکلے تھے۔

زیادہ سے زیادہ اس پیشکش سے مراد استسلام (Surrender) ہو سکتا ہے۔ ایک کمزور فوج اپنے سے کئی گنا زیادہ فوج کے مقابلہ میں استسلام کی پیش کش کر سکتی ہے اور بات چیت کے ذریعہ اصولی اختلافات کے حل کا راستہ نکالنے کی دعوت دے سکتی ہے۔

"وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر" پر عمل کا نمونہ

واقعہ یہ ہے کہ اقدام امام حسینؓ حق اور صبر پر تلقین کا بہترین نمونہ ہے۔ قرآن میں گھاٹے اور خسران سے بچنے والوں کے اوصاف میں وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر آیا ہے۔ حق اور صبر کی تلقین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں کنبے اور محلے سے لے کر نظام حکومت کی تبدیلی کا مفہوم اس میں شامل ہے نظام وقت اور نظام حکومت کی تبدیلی کی کوشش فرض عین نہیں ہے کہ ہر شخص اس کا مکلف ہو۔ یہ وہ فرض کفایہ ہے جس کا بہر حال کچھ لوگوں کو بیڑا اٹھانا چاہئے اور اس فرض کفایہ کے ادا کرنے والے پوری امت کی طرف سے احترام اور شکریے کے مستحق ہوں گے۔ بصورتِ دیگر پوری امت کو اس کی جواب دہی کرنی ہوگی لیکن یہ فرض کفایہ ان نفوسِ قدسیہ کے لئے جو اپنے اندر اس کام کی اہلیت ولیاقت پائیں، فرض عین بھی بن جاتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے ؎

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنے ہارے بھی تو بازی مات نہیں

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

وہ اسپرٹ آج بھی باقی ہے

یہ ہے واقعہ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر۔ اس کی عظمت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس کی اسپرٹ آج بھی کسی نہ کسی درجہ میں باقی ہے اور اس نے پوری اسلامی تاریخ میں حکمراں طبقے کو لگام دینے اور غلط روی پر بریک لگانے کی خدمت انجام دی ہے۔ اگر اس طبقے کو جس کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور ہے مکمل اطمینان ہو جائے کہ نہ کوئی اس سے باز پرس کرنے والا ہے نہ بے خوفی کے ساتھ کلمۂ حق کہنے والا تو وہ طبقہ اپنی من مانیوں اور مفسدہ پردازیوں پر اور بھی شیر اور دلیر ہو جائے گا۔

آج کے اس دور میں بھی سنوسی تحریک اور اخوان المسلمون کی دعوت سے لے کر جہادِ افغانستان تک وہی شوقِ شہادت اور سرفروشی کی روح پائی جاتی ہے جس کا نمونہ سیکڑوں سال پہلے ہمارے بزرگوں نے پیش کیا تھا۔ ان ہی کے فیض سے اہلِ ایمان کا ضمیر ہمیشہ زندہ اور تازہ کار رہا ہے۔ اگر ان کے نمونے نہ ہوتے تو اسلام کی تاریخ تملق، چاپلوسی، اور مداہنت کی تاریخ ہوتی خاک کے آغوش میں بس تسبیح و مناجات باقی رہ جاتی جو جمادات و نباتات زاحفات و حشرات کا دین ہے۔ وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل کا نمونہ کہیں نظر نہ آتا جو مردانِ احرار و حق آگاہ کا مذہب ہے۔

آخر میں ایک بات اور

واقعۂ کربلا یا کسی بھی اسلامی تاریخ کے واقعہ کو سمجھنے اور اس پر صحیح تبصرہ کرنے

کے لئے سب سے پہلے صحیح زاویۂ نظر کی ضرورت ہوتی ہے جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں دینِ اسلام کی ایک حیثیت تو وہ ہے جو نمونہ اور معیار کی ہے۔ یہ وہ دین ہے جس میں اس کے داخلی تقاضے اور خارجی تقاضے دونوں بدرجۂ اتم پورے ہوتے ہیں۔ انفرادی سطح پر معاشرہ میں تقویٰ اور خوفِ خداوندی موجود ہوتا ہے ذکر و عبادت سے فضا معمور ہوتی ہے اور اجتماعی سطح پر اسلامی قوانین پر عمل ہو رہا ہوتا ہے معاشرت اور سیاست کا نظام اسلامی اصولوں پر مبنی ہوتا ہے اور اس نظام میں رخنہ اندازی نہیں ہوتی ہے۔ اسلام کی اشاعت و جہاد کا کام انجام پاتا ہے۔ دینِ اسلام کی دوسری حیثیت وہ ہے جو نمونہ اور معیار تو نہیں ہے لیکن وہ کام چلاؤ اور عام طور پر معمول بہ دین ہے۔ اس معمول بہ دین میں ذکر و شغل اور تسبیح و تلاوت اور اپنے اپنے محدود حلقوں میں تذکیر اور تزکیۂ نفس کا کام انجام دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اقتدارِ وقت پر دین کی بالادستی باقی نہیں رہتی جس کے اثرات معاشرہ پر پڑنے لگتے ہیں۔ علامہ اقبال نے دونوں کا فرق اس طرح بیان کیا ہے:

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ ملّا و جمادات و نباتات

اگر حالات سازگار نہ ہوں اور فتنہ قوی ہو چکا ہو اور عزیمت بھی مفقود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ معمول بہ دین پر عمل کر لیا جائے۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے لا یکلف نفساً الا وسعہا لیکن یہ تو نہ ہونا چاہئے کہ ایک انسان معمول بہ دین کے فلسفہ کا مبلغ بن جائے اور جو نمونہ اور معیار ہے اس کی آرزو تک باقی نہ رہے

ایک مرض اور اس کے اسباب

پہلے یہ چند حدیثیں پڑھ لیجئے

۱۔ احبّ اھل بیتی الحسن والحسین[1] مجھے اپنے اہلِ بیت حسن اور حسین سے محبت ہے۔

---

[1] ترمذی

۲۔ عن زید بن ارقم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لعلی و فاطمہ والحسن والحسین انا حرب من حاربہم و سلم لمن سالمہم۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا جو ان سے لڑے میری ان سے لڑائی ہے اور جو ان سے صلح کرے میری ان سے صلح ہے[1]

۳۔ ھما ریحانتای من الدنیا

حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میری دنیا کے دو پھول ہیں[2]

حضرت ابوبکرؓ نے مسلمانوں کو یہ نصیحت کی:

۴۔ ارقبوا محمداً صلی اللہ فی اھل بیتہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ معاملہ کرنے میں آپ کا پاس و لحاظ رکھو۔[3]

بخاری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مذکور ہے:

"قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ قرابت سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے اہلِ قرابت کی صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں قرابت رسول کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

---

[1] رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۷۰

[2] صحیح بخاری مناقب الحسن والحسین

[3] بخاری باب مناقب قرابۃ رسول اللہ

من ینسب لعبد المطلب مؤمناً کعلی وبنیہ

جس مسلمان کا رشتہ نسب عبد المطلب سے ملتا ہو جیسے علیؓ اور ان کے دونوں لڑکے

اوپر کی روایات اور احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہلِ بیت بالخصوص حضرات حسنینؓ پر بے اندازہ شفقت فرماتے تھے۔ گذشتہ بحثوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ ہر دور میں ائمہ فقہاء اور محدثین اور علماء جگر گوشہ رسول سے محبت اور یزید سے نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ علمِ کلام اور عقائد کی کتابوں میں یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ حق حضرت حسینؓ کے ساتھ تھا۔ اس بات کو عقیدہ کا جزء۔ اس لئے غالباً بنا دیا گیا کہ یہ اندیشہ موجود تھا کہ مسلمانوں کو اس بارے میں گمراہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ شرح عقائد نسفی میں ہے:

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذلک واھانتہ اھل بیت النبی علیہ السلام مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلھا احاداً[1]

اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور اس پر خوش ہونا اور اہلِ بیت نبوی کی اہانت کرنا ان تمام امور کی تفصیلات گو بطریقِ احاد مروی ہوں لیکن معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں'

ان احادیث اور ائمہ و علماء کی تصریحات کی موجودگی میں حضرت حسینؓ کے اقدام کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرنا یا واقعہ کربلا کی اہمیت کو گھٹانا اور یزید کی طرف سے صفائی پیش کرنا ایک طرح کا نفسیاتی مرض ہے۔ اس مرض میں گرفتار لوگوں کے ذہن و فکر کا جائزہ لیا جائے اور تحلیلِ نفسی کی جائے تو درج ذیل اسباب میں سے کوئی ایک سبب ضرور نکل آئے گا۔

۱۔ تصورِ دین کی غلطی، یعنی شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ سمجھ لینا کہ دین کا معاملہ ایک انفرادی معاملہ ہے اور ایک فرد کے لئے ذاتی زندگی کی اصلاح تقویٰ اور تعلق مع اللہ کافی ہے۔ خلیفہ کیسا ہو عقدِ خلافت صحیح طریقہ سے ہو یا جبر و استبداد کے ذریعہ یہ اور دیگر سیاسی معاملات کا براہِ راست دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے یزید کی مخالفت کرکے حضرت

---

[1] شرح عقائد نسفیہ ۱۴۷ طبع مصر

حسینؓ نے بے جا اپنے کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنی جان گنوائی۔

۲۔ شیعیت کے معاملہ میں حد سے بڑھی حساسیت۔ یعنی رد شیعیت میں اتنا غلو کہ اہلِ بیت سے اور خاص طور پر سبطِ رسول سے والہانہ محبت کا اگر کسی نے اظہار کیا اور یزید پر لعنت و ملامت کی تو اس میں شیعیت کی بو اور خو محسوس ہونے لگے اور ایسے جذبات کا رشتہ فوراً شیعیت سے جوڑ دیا جائے۔ یا زبان سے یہ بات نہ کہی جائے لیکن خود انسان کا سینہ نقدِ شیعیت میں انتہاپسندی کی وجہ سے اس طرح کے لطیف جذبات سے بالکل خالی ہو جائے اور حضرات حسنینؓ سے واقعی محبت دل میں نہ پائی جائے۔

۳۔ تیسرا سبب حد سے بڑھی ہوئی عقلیت اور عشقِ رسول میں کمی یا اس سے محرومی کا روگ ہے جو مغربی تہذیب کے استیلاء کے دور میں ترقی پذیر ہے۔ کچھ لوگوں میں تو دل میں چھپا ہوا روگ زبان پر بھی آجاتا ہے اور یہ کہا جانے لگا ہے کہ ہمیں تو محمد رسول اللہ سے غرض ہے نہ کہ محمد بن عبداللہ سے۔ یعنی ذاتِ گرامی کی تشریعی حیثیت سے بحث ہے نہ کہ آپ کی ذاتی زندگی سے۔ اس لئے آپ کی سنتوں کا اتباع اور آپ کی محبوب چیزوں کو محبوب رکھنا اور آپ کے اسوۂ حیات سے عشق ایک غیر ضروری چیز ہے۔ جب یہ معاملہ رسول کے ساتھ ہے تو سبطِ رسول سے محبت کا سوال ہی کہاں اٹھتا ہے اور جب عشق و محبت نہیں تو اس بارے میں غیرت و حمیت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ غیرت کا گہرا تعلق عشق سے ہے۔ لیکن ابھی تک مخالفین حسینؓ اور مؤیدین یزید میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو زبان سے یہ بات تو نہیں کہتے لیکن اگر وہ خود اپنے دلوں کا جائزہ لیں گے تو محسوس ہوگا کہ محبت اہلِ بیت یا تو سرے سے نہیں ہے یا نہ ہونے کے برابر ہے۔

صحیح یہ ہے کہ عشقِ نبوی کا معاملہ محض جذباتی معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کی تشریعی حیثیت ہے اور اس محبت کے لئے نص صریح موجود ہے اور اس محبت میں کمی نہ پیدا ہونے کے لیے خصوصی احکامات نازل فرمائے گئے ہیں۔ دین کے اصل مزاج کے بقاء اور تسلسل اور اس امت کی حفاظت کے لئے اس عشق و محبت کی حیثیت مستحکم قلعہ ہے اور اس کے بغیر نہ دین کی حفاظت ہو سکتی ہے اور نہ دین سے وابستہ امت کی۔

تاریخی مطالعہ یا معروضی مطالعہ کے حوالے سے واقعۂ کربلا کی اہمیت کو گھٹانے اور حضرت حسینؓ کے سرفروشانہ اقدام کی عظمت کو کم کرنے کی کوشش کرنے والوں میں مذکورہ تین اسباب میں سے کوئی ایک سبب ضرور مل جائے گا اور دینی روحانی اور سماجی علوم کے لئے بھی کوئی خوردبینی کا آلہ موجود ہوتا تو ان جرثوموں میں سے کوئی ایک جرثومہ ضرور دیکھ لیا جا سکتا۔

دین کے بارے میں صحیح اور متوازن تصور کو ذہن میں جاگزیں کرنا اور جمہور اہل سنت کے موقف کی صحت پر یقین اور عشق کے آبِ حیات سے تخمِ دل کی آبیاری نہ صرف واقعۂ کربلا کے غلط مطالعہ کے سلسلہ میں نفسیاتی مرض کا علاج ہے بلکہ یہ بہت سے فکری اور نفسیاتی امراض کا علاج بھی ہے۔ یہ وہ نسخۂ شفا ہے جس سے قلب و نظر کی بیماریوں کے بہت سے مریض شفایاب ہو سکتے ہیں۔

شہدائے کربلا پر افتراء

از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہٗ

نواصب کون ہیں

”نواصب“ ”ناصبیہ“ اور ”اہلِ نصب“ تاریخ میں ان لوگوں کا لقب ہے جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور ان کی آل و اصحاب کے خلاف بغض و عداوت کا علم بلند کر رکھا تھا، چنانچہ علامہ زمخشری ”اساس البلاغہ“ میں لکھتے ہیں۔

وناصبت لفلان، عادیته نصباً ومنه الناصبیة والنواصب، واهل النصب الذین ینصبون لعلی کرم الله وجهه

نَاصَبْتُ لِفُلَانٍ کے معنی آتے ہیں میں نے اس سے عداوت ٹھہری کی، چنانچہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عداوت رکھتے ہیں ان کو اسی بنا پر ”ناصبیہ“ ”نواصب“ اور ”اہلِ نصب“ کہتے ہیں۔

جس طرح روافض کا مذہب حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تبرّی و بیزاری اور ان کو طرح طرح کے مطاعن سے مطعون کرنا ہے۔ بعینہٖ یہی طریقہ نواصب کا خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے۔

نواصب کا خاتمہ

مشرق میں جب بنی عباس کے ہاتھوں بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ان کا آخری حکمران مروان الحمار قتل ہوگیا، تو اس کے قتل کے ساتھ ہی اس فرقہ نواصب کا بھی جس کو "شیعہ مروانیہ" "شیعہ امویہ" اور "شیعہ عثمانیہ" بھی کہا جاتا ہے خاتمہ ہوگیا۔ اور پھر دنیا ان کے ناپاک وجود سے جلد ہی پاک ہوگئی، چنانچہ علامہ تقی الدین احمد بن علی المعروف بالمقریزی اپنی مشہور و معروف کتاب "الخطط والآثار فی مصر والقاہرۃ والنیل وما یتعلق بہا من الانہار" میں لکھتے ہیں۔

فلما قتل مروان وانقضت ايام بني امية ببني العباس في سنة ثلاث وثلاثين ومائة خمدت جمرة اصحاب المذهب المرواني وهم الذين كانوا يسبون علي بن ابي طالب ويتبرّؤن منه، وصاروا منذ ظهر بنو العباس يخافون القتل ويخشون أن يطلع عليهم احدٌ الا طائفة كانت بناحية الواحات وغيرها، فانهم اقاموا على مذهب المروانية دهراً حتى فنوا ولم يبق لهم الآن بديار مصر وجود البتة۔

(ج ۴ ص ۳۰۹ طبع بولاق مصر ۱۲۷۰ھ)

جب مروان (الحمار بنی امیہ کا آخری تاجدار) قتل ہوگیا اور بنی امیہ کے ایام حکمرانی بنی عباس کے ہاتھوں ۱۳۳ھ ہجری میں ختم ہوگئے تو اصحاب مذہب مروانی کی چنگاری بھی بجھ گئی، یہ وہ لوگ تھے جو حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ پر تبرا اور سب وشتم کیا کرتے تھے اور جب سے بنی عباس کا ظہور ہوا ان کی یہ حالت ہو گئی کہ اپنے قتل سے خائف رہنے لگے اور ڈرتے رہتے کہ کہیں کسی کو ان کی اطلاع نہ ہو جائے، ہاں ایک چھوٹی سی جماعت جو "واحات" (مصر کے بالائی مغربی علاقہ) وغیرہ کے اطراف میں تھی، وہ ایک مدت تک مروانی مذہب پر جمی رہی۔

بالآخر وہ بھی فنا ہو گئی اور اب دیارِ مصر میں ان کا سرے سے کوئی وجود ہی باقی نہیں۔

برصغیر میں ناصبیت کی تحریک

اور برصغیر ہند و پاک تو ان کے وجود نامسعود سے شروع ہی سے پاک چلا آتا تھا، تا آنکہ حال میں محمود احمد عباسی امروہوی نے[1] "خلافتِ معاویہؓ و یزید" لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ہوا دی اور اس کے مرجانے کے بعد کمیونسٹوں اور منکرینِ حدیث نے موقع سے فائدہ اٹھا کر عباسی کے متبعین کی پیٹھ ٹھونکی اور ان کو "ناصبیت" کے مشن کو فروغ دینے پر لگا دیا، چنانچہ اب مختلف ناموں سے انجمنیں قائم ہو گئی ہیں جن کا کام ہی اہلِ سنت کو راہِ اعتدال سے ہٹانا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک انجمن "مجلسِ حضرت عثمانِ غنیؓ" کراچی ہے، جس کے شائع کردہ پہلے کتابچہ پر مکمل تنقید "ناصبی سازش" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اور اب یہ اس مجلس کے شائع کردہ دوسرے کتابچہ کا مختصر سا جائزہ ہے۔

یہ کتابچہ بھی چھوٹی تقطیع پر بتیس (۳۲) صفحات کا ہے جس کا نام ہے "داستانِ کربلا حقائق کے آئینہ میں" اس کے مرتب بھی وہی "احمد حسین کمال" (سی ۳ ۱۵۲، کورنگی ۶ کراچی ۳۱) ہیں، یہ سلسلہ مطبوعات "مجلس حضرت عثمانِ غنیؓ" کی دوسری کڑی ہے۔

مجلسِ عثمانِ غنی کا تعارف اور پروگرام

لیکن جائزہ لینے سے پہلے مجلس کا تعارف اور پروگرام پڑھیے جو ان

---

[1] اب اس کا نام بدل کر "اکابر صحابہ پر بہتان" کر دیا گیا ہے

الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

"مجلس حضرت عثمان غنی" دراصل تطہیرِ تاریخ اور تصفیۂ اذہان کی اس تحریک کا نام ہے جس کے پیش نظر ان حضرات صحابہ کرام کے متعلق اغیار واشرار کے نامبارک ہاتھوں مرتب کردہ تاریخی اکاذیب واباطیل کی اصلاح اور چھان پھٹک ہے۔ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ۔ کے انقلابی پروگرام کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر قبول کیا اور پھر تن، من، دھن کی بازی لگا کر اطرافِ عالم میں اسے پھیلایا.... لیکن چونکہ اولین اہل قلم .... عموماً ان ہی عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں جن کی شوکت وحکومت .... ان ہی مقدس صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں ..... پیوندِ خاک ہوئیں، بنا بریں، انھوں نے اپنے کفر و زندقہ اور جذبۂ انتقام کو نفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر عہد اول کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہ اور محسنین امت کے حسین کردار اور حقیقی خدوخال پر مفتریات و مکذوبات کی گہری تہیں جم گئیں.... تاریخ کا یہی وہ اہم مگر پیچیدہ موضوع ہے جسے انہیں تاریخی اساطیر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر حق وانصاف، روایت و درایت کے جملہ حقوق کی رعایت رکھتے ہوئے مرتب کرنا اور مسلمانوں کو اس پر غور و فکر اور پھر قبول کی دعوت دینا "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کے پیش نظر ہے.....

جو اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں دیکھنے کے خواہاں ہیں اور اسلام کا سچا درد رکھتے ہیں "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کی اس کوشش کو کامیاب بنائیں اور صداقت کے علمبردار بن کر دنیا و آخرت میں اپنا مقام بلند کریں۔ (داستانِ کربلا ص ۳۰ و ۳۱)

"مجلس حضرت عثمان غنی" نے تطہیرِ تاریخ اور تصفیہ اذہان کی جو مہم چلائی ہے

اس کا ایک نمونہ تو "اکابر صحابہ پر بہتان" میں گزرا، اب تاریخی اساطیر سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مجلس نے جس طرح اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں پیش کیا یا درحقیقت اسے مسخ کیا ہے اس پر نظر ڈالیے!

اس کتابچہ کا نام "داستانِ کربلا" حقیقت میں اسم بامسمّٰی ہے عربوں کے کاہنوں کی طرح ایک سچ میں سو جھوٹ ملا کر یہ داستان تیار کی گئی ہے۔ اردو ادب کے سب سے طویل افسانے "داستانِ امیر حمزہ" کی طویل و عریض اور ضخیم جلدیں اگر کسی کی نظر سے گزری ہیں اور اس نے نوشیرواں نامہ، ہرمز نامہ، کوچک باختر، بالا باختر، ایرج نامہ، طلسم ہوش ربا، بقیہ طلسم ہوش ربا، صندلی نامہ، تورج نامہ، لعل نامہ، طلسم خیال سکندری، طلسم نوخیز جمشیدی، طلسم زعفران زار سلیمانی وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے تو اس کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہو گی کہ اس طول طویل داستان میں اتنا تو سچ ہے کہ اس افسانے کے ہیروز امیر حمزہؓ، عمرو بن امیہ ضمریؓ، معدیکربؓ، مالکؓ اشتر، لندھور ابن سعدان، نوشیرواں، بزرجمہر، افراسیاب، زمرد شاہ باختری وغیرہ کا تاریخی وجود تو بے شک تھا اور ان نامبردگان میں سے سابق چار افراد عرب سے تعلق رکھتے تھے اور بقیہ پچھلے پانچ عجم سے، لیکن "داستانِ امیر حمزہ" پڑھنے والوں میں شاید ہی کوئی ایک آدھ احمق ایسا ہو جو اس داستان کو صحیح سمجھتا ہو اور اس جھوٹ کو سچ باور کرتا ہو، خود لکھنؤ کے شیعہ داستان گو، محمد حسین جاہ اور تصدق حسین قمر نے بھی جن کے قلم سے "داستانِ امیر حمزہ صاحب قران" کی طویل و ضخیم جلدیں نکلی ہیں، کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ "داستانِ امیر حمزہ صاحب قران" کی کوئی تاریخی حیثیت بھی ہے،

مگر آفریں ہے "مجلس عثمانِ غنی" کے ارکان اور اس مجلس کے ہیرو احمد حسین کمال پر جنہوں نے اپنے جی سے گڑھ کر "داستانِ کربلا" لکھی اور اس پر بصد طمطراق یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ یہ دروغ بے فروغ ایک تاریخی حقیقت ہے اور یہ داستان

"حقائق کے آئینہ" میں سپردِ قلم کی گئی ہے، ہیچ ہے۔

إِذَا لَمْ تَسْتَحِيْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ ، بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن۔

"عباس عثمانِ غنی" کے لیے تو واقعی یہ خوشی کا مقام ہے کہ انہوں نے یہ کتابچہ لکھ کر لکھنؤ کے شیعہ داستان گویوں کو جھوٹ بولنے میں بھی مات کر دیا۔

آفریں باد بریں ہمتِ مردانۂ تو

اب ذرا دل پکڑ کر اس داستان کو پڑھیے اور احمد حسین کمال نے داستان سرائی میں جو کمال دکھایا ہے اور افسانہ طرازی میں جس جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے اسے ملاحظہ کیجیے۔

خود ساختہ "داستانِ کربلا"

"داستانِ کربلا" کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بعث اهل العراق الى الحسين الرسل والكتب يدعونه اليهم فخرج متوجهاً اليهم فى اهل بيته وستين شخصاً من اهل الكوفة صحبة۔ (البداية والنهاية، جزء نہم ص ۱۵۲)

۲۲ رجب ۶۰ھ کو امیر المومنین حضرت معاویہؓ کا انتقال ہو گیا۔ ۲۸ رجب ۶۰ ہجری کو امیر یزید کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہو گئی شعبان ۶۰ھ میں حضرت حسینؓ اہل و عیال سمیت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لے آئے، اس وقت حضرت حسینؓ کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔

کوفہ میں رہنے والے شیعانِ علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ آ کر مقیم ہو گئے ہیں تو انہوں نے آپ کے پاس یکے بعد دیگرے قاصد پہ قاصد روانہ کرنے شروع کر دیے کہ آپ کوفہ تشریف لے آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو خلیفہ بنانا

چاہتے ہیں۔

آپ نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے اپنے تایازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔ کوفہ میں رہنے والے شیعانِ علی کے پیغامات اب بھی برابر آرہے تھے، حتیٰ کہ ساٹھ کوفیوں کا ایک وفد بہت سے خطوط لے کر آپ کے پاس پہنچا۔ شروع کی عبارت مشہور عربی تاریخ "البدایہ والنہایہ" سے ماخوذ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

> اہلِ عراق (کوفہ) نے حضرت حسین کے پاس متعدد پیغامبر اور بکثرت خطوط بھیجے کہ آپ کوفہ آجائیں، چنانچہ حضرت حسین اپنے اہلِ بیت کو لے کر ساٹھ کوفیوں کی معیت میں کوفہ روانہ ہو گئے۔"

منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسین مکہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس وقت تک امیر یزید کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ ہوچکے تھے اور امیر یزید کے ہاتھ پا سوا عبداللہ بن زبیر اور کوفہ کے چند سو آدمیوں کے شام، عراق، مصر، اور عرب کے تمام مسلمان بیعت کرچکے تھے۔ ان بیعت کرنے والوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ۱۸۹ صحابہ کرام شامل تھے جو اس وقت حیات تھے۔

جب حضرت حسین اپنے قافلہ کے ساتھ زَرُوْد پہنچے تو وہاں آپ کو معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل، کوفہ میں قتل ہو گئے ہیں۔ اس سانحہ کی اطلاع سے آپ دل برداشتہ ہوئے اور واپس مکہ چلا جانا چاہا، لیکن جو ساٹھ کوفی ساتھ تھے، انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ضرور کوفہ چلیں۔ مسلم بن عقیل کی بات اور تھی۔ آپ کی حیثیت دوسری ہے، کوفہ کے شیعانِ علی

آپ کا ساتھ ضرور دیں گے۔ موضع زَرُوْدْ، مکہ سے کوفہ جانے والے راستہ پر "۱۸ ویں" منزل پہ واقع ہے اور مکہ سے اس منزل تک کی مسافت ۴۵۹ عربی میل ہے۔ مسلم بن عقیل کی وفات کی خبر سن کر اور کوفیوں کی سابقہ بے وفائیوں، غداریوں کا احساس کر کے آپ اسی مقام پر رک گئے جو کوفی آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے وہ کوفہ چلنے پر اصرار کرتے رہے اور آپ جانے میں تردّد فرماتے رہے۔

کوفہ کی حکومت کو جب آپ کے موضع زرود میں رک جانے کی اطلاع ملی تو صورتحال معلوم کرنے کیلئے عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا...... ان دونوں نے حضرت حسین سے ملاقات کی اور آپ کا ارادہ اور منصوبہ معلوم کیا، آپ نے فرمایا:-

> میں کوفیوں کے بلانے اور اصرار کرنے پر کوفہ آ رہا تھا، ان کے یہ سینکڑوں خطوط میرے پاس مکہ میں آئے اور متعدد قاصد بھی زبانی پیغامات لاتے رہے، میں نے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو دریافتِ حال کے لیے کوفہ بھیجا تھا، ساٹھ کوفی جو اب میرے ساتھ ہیں، مسلم کا خط لے کر میرے پاس آئے کہ کوفہ آ جائیں، اہل کوفہ بیتابی سے آپ کے منتظر ہیں، چنانچہ ان ساٹھ کوفیوں کے ساتھ میں کوفہ کے لیے روانہ ہو گیا یہاں آ کر معلوم ہوا کہ کوفیوں نے مسلم بن عقیل کو دھوکہ سے قتل کرا دیا، اس لیے اب، میرے سامنے یہی چارۂ کار رہ گیا ہے کہ شام چلا جاؤں اور یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنا معاملہ طے کر لوں"

عمر بن سعد نے کوفہ کے گورنر ابن زیاد کو اس صورتِ حال سے اور حضرت حسین کے ارادہ سے مطلع کر دیا، جسے عبید اللہ بن زیاد نے قَبِلتُ کہہ کر منظوری دے دی اور ساتھ ہی احتیاطاً عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ حضرت حسین کے قافلہ کے ہمراہ جانے کا حکم دیا، تاکہ جو کوئی حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں وہ آگے چل کر حضرت حسین کو کسی اور راستہ کی طرف نہ لے جائیں یا کہیں اور شرارت نہ کھڑی کر دیں، تاہم یہ دستہ حسینی قافلہ سے ذرا فاصلہ پر رہ کر چلا۔

مقام "واقصہ" سے حضرت حسین نے کوفہ جانے والی راہ چھوڑ دی اور راہ "القرعا" اور "مغیثیہ" کی منزلوں سے ہوتے ہوئے دمشق کی راہ پر چل پڑے، ۹ محرم کی شب کو "العذیب" اور "قصرِ مقاتل" کی منزلیں طے کر کے آپ نے "الطف" کی سرسبز و شاداب زمین میں "کربلت" کے مقام پر جہاں پانی کے چار چشمے بہتے ہیں، قیام فرمایا اسی "کربلت" کو "کرب و بلا" کے معنی پہنانے کے لیے کربلا بنا دیا گیا۔ "کربلت" عربی میں مرطوب جگہ کو کہتے ہیں۔[1]

---

[1] یہ بھی داستان سرائی کا ایک جزو ہے مگر ناصبیوں کے "امام التاریخ" محمود عباسی صاحب یہ لکھتے ہیں: "ارض الطف کے قریہ عقر کی مضافاتی زمین "کربلا" کہلاتی تھی، جو روڑوں کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف اور نرم و ملائم زمین تھی، نیز جو قریہ مذکور کی فصل غلہ پچھوڑنے کے کام میں لائی جاتی تھی اور اسی بنا پر "کربلا" کہلاتی تھی" (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۰۵، ۲۰۶ طبع چہارم) یاد رہے تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں موضع "کربلا" کا تو ذکر آتا ہے مگر "کربلت" نامی کسی مقام یا موضع کا ذکر نہیں ملتا۔ آخر وہ داستان ہی کیا جس میں جھوٹ نہ ہو۔

کربلا دریائے فرات سے تین میل دور اور کوفہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا حتّٰی کہ آپ نے یہاں تک فرمایا،

> " افسوس تمہیں لوگ ہو جنہوں نے میرے والد حضرت علی کو دھوکہ میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسن کو زخمی کیا اور مایوس بنایا اور میرے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کرا دیا، سچ ہے جو بھی تمہارے دھوکہ میں آ جائے بڑا احمق ہے۔"

(جلاء العیون، طبری)

سبائی شیعوں کوفی یہ سمجھ گئے کہ اب حضرت حسین کا ان کے قابو میں آنا مشکل ہے، لیکن ان سے جدا ہونا ابن زیاد کی گرفت میں پڑ جانا ہے جو یقیناً عبرت ناک سزا دے کر رہے گا۔ ابن زیاد کا فوجی دستہ ساتھ ہی ہے! اس لیے ان سب نے باہم صلاح و مشورہ کر کے عصر و مغرب کے درمیان کیمپ میں ہنگامہ برپا کرنے اور قافلۂ حسینی کے تمام افراد کو ہلاک کر کے رات کی تاریکی میں بھاگ نکل جانے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ عصر کی نماز کے بعد یہ سب کے سب ایک دم حضرت حسین اور ان کے اہل بیت کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسین سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، خیمہ میں شور برپا ہو گیا، بچے عورتیں وغیرہ خیمہ سے باہر نکل آئے، کچھ لوگ دفاع

اور جوابی کاروائی کرنے لگے، اس شور و غل اور ہنگامہ کی آواز دور محافظ دستے نے بھی سنی، حر، شمر اور عمر بن سعد حسینی کیمپ کی طرف دوڑے، شام کا جھٹپٹا ہو چکا تھا، ان سب نے اگرچہ تمام کوفیوں کو گھیر کر اور پکڑ پکڑ کر قتل کر ڈالا، ایک آدھ ہی بچ کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو سکا، لیکن افسوس اس دوران حضرت حسین کئی زخم کھا کر شہید ہو چکے تھے، ان کے صاحبزادے علی اکبر اور عبداللہ بھی قتل ہو گئے تھے، حضرت حسن کے تین صاحبزادے عبداللہ، قاسم، ابوبکر بھی قتل کر دیے گئے تھے، عبداللہ بن جعفر کے لڑکے عون اور محمد بھی مارے گئے تھے اور حضرت عقیل کے چار لڑکے جعفر، محمد، عبدالرحمٰن، عبداللہ اور عبداللہ ثانی بھی مارے جا چکے تھے یعنی جب تک عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن اور حر خاندان علی کو کوفیوں کے حملے سے بچانے کے لیے دوڑ کر پہنچے، اس خاندان کے اکیس افراد حضرت حسین سمیت شہید کیے جا چکے تھے، حر بھی کوفیوں کو مارتے ہوئے ایک کوفی کے وار سے قتل ہو گئے۔ یہ المناک سانحہ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ ہجری مطابق ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء جمعہ کے دن پیش آیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ سانحہ ۱۰ صفر کو "کربلا"[1] کے بجائے "نینوا" کے مقام پر پیش آیا۔ بہرحال عمر بن سعد اور شمر نے خاندان علی کی نعشوں کو اکٹھا کیا، اُن کی نماز جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا، کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا۔ بلکہ دستے کے بعض سواروں نے انھیں پامال بھی کیا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، خاندان علی کے

---

[1] اس نام کا کوئی تاریخی وجود نہیں۔

بچے کچھے افراد خواتین کو کوفہ لاکر آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔

کوفہ میں بعض شیعان علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات کی، اپنی ہمدردیاں جتائیں، انھیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کر کر چلے جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے جنھیں زخمی کر کے کوئی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں، مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ گئے تھے، اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمر بن سعد، اور شمر ذی الجوشن کی سرپرستی و دیکھ بھال میں علاج کرا رہے تھے فرمایا،

"اے غدارو! اے مکارو میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا۔۔۔"

خاندان علی کے افراد کچھ عرصہ کوفہ میں ابن زیاد کے مہمان رہے، پھر پوری حفاظت اور آرام کے ساتھ دمشق روانہ ہو گئے، جہاں ایک مدت تک ان سب نے خلیفہ یزید کے محل میں قیام کیا، امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدینہ واپس آکر جوارِ رسول میں حسبِ سابق رہنے لگے۔

خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہ کے طریقے کے مطابق حضرت حسین کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افرادِ خاندان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیئے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔

(از ص ۳ تا ص ۱۲)

یہ ہے "مجلس حضرت عثمان غنی" یعنی حال کے "مذہب مروانی" کے داستان گو احمد حسین کمال کی بنائی ہوئی داستان جو ابھی آپ کی نظر سے گذری اور جس میں اس امر

کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ "شیطانِ اموی" کے خلیفہ برحق یزید بن معاویہ اور اس کے ظالم گورنر عبید اللہ بن زیاد اور یزیدی لشکر کے سپہ سالار عمر بن سعد اور حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قتل میں پیش پیش رہنے والے شخص شمر ذی الجوشن پر کوئی ذرا سی بھی آنچ نہ آنے پائے، کیونکہ شیطانِ بنی امیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے خلفاء کی نیکیاں سب اللہ تعالےٰ کے یہاں مقبول ہیں اور ان کے گناہ سب معاف ہیں نیز خلیفۂ وقت کی اطاعت ہر حال میں ضروری ہے خواہ اس کا حکم صحیح ہو یا غلط، یہ بھی واضح رہے کہ اس دور کے سب نواصب اگرچہ اس امر میں سخت کوشاں ہیں کہ جہاں تک بن سکے خلیفہ یزید کی پوری پوری تعظیم بجا لائی جائے اور اس کے تمام ظالم کارندوں کی ظالمانہ کاروائیوں پر نہ صرف یہ کہ پردہ ڈالا جائے بلکہ الٹا الزام مظلومین کے سر تھوپا جائے۔ واقعۂ کربلا کی ذمہ داری خود حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ان کے رفقاء کے سر ڈالی جائے، حرہ کے مظالم کا ذمہ دار مدینہ طیبہ کے حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کو قرار دیا جائے اور مکہ معظمہ کے محاصرہ کے سلسلہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر الزام عائد کیا جائے اور اس کار شر میں اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو اس ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ کام میں لایا جائے، کہ سادہ لوح عوام گمراہی میں پڑ جائیں اور ان کے دھوکہ اور فریب میں آکر سلف صالحین صحابہ و تابعین اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بدظن ہو جائیں، لیکن تاہم جھوٹ آخر جھوٹ ہی ہے اس لیے کسی نہ کسی مرحلے پر جا کر اس جھوٹ کی قلعی کھل ہی جاتی ہے۔

اس داستان کے پہلے جھوٹ کی تنقیح

(۱) چنانچہ احمد حسین کمال داستان گو نے اگرچہ حضرت حسین

رضی اللہ عنہ کا قاتل ان ساٹھ کوفیوں کو بتایا ہے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں مکہ سے چلے تھے اور راستہ بھر آپ کو ورغلانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن جب آپ ان کے ورغلانے میں نہ آئے اور امیر یزید کی بیعت کا عزم ارادہ کر لیا تو یہ ساٹھوں کوفی سمجھ گئے کہ اب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے قابو میں آنا مشکل ہے اس لیے سب کے سب نے صلاح و مشورہ کر کے عصر کی نماز کے بعد ایک دم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کرام کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کا محافظ دستہ جو کاروان اہل بیت کی حفاظت کے لیے کوفہ کی حکومت نے بھیجا تھا وہ بھی اس آفت ناگہانی سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اہل بیت کو نہ بچا سکا مگر ان "شیعہ مروانیہ" "مجلس حضرت عثمان غنی"[1] کے "امام التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی" کا (جس کے لیے یہ ناصبی "رحمۃ اللہ" بھی لکھتے ہیں) یہ بیان ہے۔

---

[1] "مجلس حضرت عثمان غنی" نے اپنے سلسلہ اشاعت کے چھٹے نمبر پر جو کتابچہ "علی المرتضیٰ" کے نام سے شائع کیا ہے اس کے صفحہ ۲۲ پر یہی الفاظ ہیں

"امام التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ"

ان کے علامہ ہونے کا تو راقم الحروف کو ذاتی تجربہ ہے، بارہا ملاقاتیں ہوئیں اور مسلسل گفتگو پر پتہ چلا کہ جناب کی فارسی کی استعداد ہی ناقص ہے، عربی کا تو کیا ذکر اہل علم حضرات اگر ان کی تالیف "خلافت معاویہ و یزید" میں انھوں نے جو عربی فارسی عبارتوں کا ترجمہ کیا ہے اس کا جائزہ لیں تو ان "علامہ صاحب" کی ساری علمی حیثیت عیاں ہو جائے گی اور ان کی "شیخ الاسلامی" کی شان معلوم کرنا ہو تو ان کے جاننے والے امروہہ کے بعض احباب

"امیر عبید اللہ بن زیاد باغیانِ کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر امیر المومنین (یزید) کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائض مفوضہ کی انجام دہی میں کر رہے تھے، حضرت حسینؓ کی ذات یا آپ کے اہلِ خاندان سے انہیں نہ کوئی ذاتی پرخاش تھی اور نہ بغض و عداوت ۔۔۔۔

علاوہ ازیں خود امیر المومنین (یزید) کے فرمان میں ان کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ و جدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں جب تک خود ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے، وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے"۔۔۔

عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو قاتل حسین کہا جاتا ہے، راویوں کے بیانات کا آزادانہ و منصفانہ طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب و افترا ہی ثابت ہوگا۔۔۔۔۔

حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

بھی نظر میں ان سے ان کی صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور جمعہ و جماعات کے اہتمام کا حال معلوم فرمائیں نیز وحی اور قرآن کریم کے بارے میں جو وہ اظہار خیال فرماتے رہتے تھے اس کے بارے میں دریافت کریں وہ آپ کو ان کے الحاد و بے دینی کی تفصیل بتائیں گے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی جب نشر و اشاعت ہوئی تھی تو وہ چینی سفارت خانے میں ملازم تھے اور احمد حسین کمال کی جب یہ داستان شائع ہوئی تو وہ روسی سفارتخانہ میں ملازم ہیں۔

و آشتی سے نمٹانا چاہتے تھے، دو قوتیں البتہ ان کے مساعی میں حائل اور مزاحم تھیں، ایک تو برادران مسلم بن عقیل کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں انہیں اپنی بھی جانیں دینی پڑیں۔ دوسرے ان کوفی سبائیوں کا رویہ تھا جو کوفے سے مکہ گئے تھے اور حسینی قافلہ کے ساتھ آرہے تھے اپنے مشن کی ناکامی سے ان کی پوزیشن صد درجہ خراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے، کیونکہ ان کے لیے اب کوئی اور صورت مفر کی نہ تھی، کوفہ جاتے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رخ کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر۔[2] انھوں نے اپنے پیشرو سبائیوں کی تقلید کرنی چاہی، جنھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرادی تھی...... چنانچہ ان کوفیوں کی ساری کوشش اب اس بات پر تھی، کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ

---

[1] عباسی صاحب تو ان کوفی شہداء کو جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی نصرت میں اپنی جانیں نثار کر دیں "سبائی" کہہ کر اسلام سے خارج کرنا چاہتے ہیں اور "مجلس حضرت عثمان غنی" کا داستان گو خود انہی شہداء کو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قاتل قرار دینے کی فکر میں ہے۔

[2] کیوں کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ یزید کی بیعت کرنے کے بعد بھی اپنے ساتھیوں کے لیے امان نہیں لے سکتے تھے؟ جس طرح کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے معاہدہ میں یہ طے کر لیا تھا کہ صلح کے بعد اہل عراق پر کوئی داروگیر نہیں ہوگی۔

موقف پر قائم رہیں......

حکومتِ وقت کے نمائندوں کو حضرت حسین رض کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہوکر کہ کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلاب حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا، مگر تحریص و ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آتے، ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا قطعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی، یعنی عمر بن سعد رض کی ملاقاتوں کے نتیجہ میں حضرت حسین رض جب آمادہ ہو گئے کہ امیر المومنین سے بیعت کر لیں، ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نمائندے کے ہاتھ پر یہیں بیعت کریں......

حضرت حسین رض نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر تو موت ہے"...... امیر کوفہ عبیداللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ مزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلات حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں، نمائندگان حکومت کے حوالہ کر دیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سدِ باب ہو جائے، جو ان کوفیوں کی ترغیبانہ گفتگوؤں سے پیدا تھا، کہ مبادا ان کے اثر میں آکر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اسی طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عامل مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعت عامہ کے لیے لوگوں کو بلانا تو ہم بھی موجود ہوں گے مگر حضرت ابن الزبیر رض سے

گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے، حکامِ کوفہ کے اس مطالبہ نے برادرانِ مسلم بن عقیل کو جو پہلے ہی سے جوشِ انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے، مشتعل کر دیا، نیز ان کوفیوں کو بھی جو حسینی قافلہ میں شامل تھے اور جنہیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آ رہی تھی، یہ موقع ہاتھ آ گیا، انھوں نے اپنے پیش روؤں کی تقلید میں جنھوں نے جمل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا، اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا، کہ انتہائی عاقبت نااندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا، آزاد محققین و مستشرقین[1] نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آ گیا، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ،

> "گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ حسینی قافلہ کے ہتھیار لے لینے کی تدابیر کرے اور صوبہ عراق میں ان کو داخل ہونے اور جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے، کوفہ کے شیعانِ علی میں سے کوئی بھی مدد کو کھڑا نہ ہوا) حسین اور ان کے مٹھی بھر تبعین نے اپنے سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جسے ہتھیار رکھوا لینے کو بھیجا گیا تھا، غیر مآل اندیشانہ طور سے حملہ کر دیا" (ص ۱۱۶۲)

---

[1] جن کے کہے پر عباسی صاحب کا ایمان ہے۔

عمر بن سعد امیر عسکر نے ... کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہیں کیا تھا، انکے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعانہ پہلو اختیار کئے رہے یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گفتگوئے مصالحت یکایک جدال و قتال میں بدل گئی ....

حضرت حسین رض کے مقتول ہو جانے پر ابن سعد پر رنج اور صدمہ سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے......

انہوں نے مداخلت کی خاطر بہتیری کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر سبائیوں کی دراندازیوں سے ان کی مساعی ناکام ہو گئیں لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا جسکا بین ثبوت خود انہی راویوں کے بیان سے ملتا ہے جہاں انہوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلہ کے بہتر مقتول ہوئے، جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی مارے گئے، گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسین رض کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور زار و قطار رونے لگے، پھر انہوں نے حضرت حسین رض کے اہل خاندان کو ان کی بیبیوں، کنیزوں اور دوسری خواتین خاندان نبوت کو عزت و حرمت کے ساتھ پردہ دار محملوں میں سوار کرا کے روانہ کیا۔

(ملاحظہ ہو "خلافت معاویہ و یزید" مؤلفہ محمود احمد عباسی)
طبع چہارم، ص ۲۳۶ تا ص ۲۴۱)

شیعانِ اموی" مجالس حضرت عثمانِ غنی" کے "امام التاریخ" کا بیان ایک بار پھر پڑھ لیجئے کہ ناصبیوں کے یہ امام صاحب کیا فرماتے ہیں، ان کی تحقیق میں حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ ان کے اہلِ بیت، اور ان ساٹھ کوفی حضرات کا جو حضرت ممدوح کی معیت میں مکہ سے کربلا تک آئے تھے، قاتل تو عمر بن سعد کا فوجی دستہ ہی تھا، مگر یہ حادثہ حزن انگیز اس لیے پیش آیا کہ خود حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اشتعال میں آکر اس فوجی دستہ پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے ان کا گھیرا ڈالے ہوئے تھا، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا۔ عمر بن سعد نے پھر بھی مدافعانہ جنگ کی کہ اپنی فوج کے سولہ افراد زیادہ کٹوا دیئے اور اس طرح یزیدی دستہ فوج کے اٹھاسی آدمی کام آئے، ورنہ حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ کے کاروان میں عباسی کے خیال میں کوئی بہادر اور جنگ آزمودہ سپاہی تھا ہی کہاں عمر بن سعد اگر خود اقدام کرتا تو جو شجاعانِ عرب اس کے ساتھ تھے آناً فاناً میں حسینی قافلے بہتر نفوس کا سر قلم کر دیتے اور اس کے دستہ فوج کو ایک متنفس کا بھی نقصان نہ اٹھانا پڑتا۔ مگر "مجلسِ شیعانِ عثمان" کے داستان گو نے جو داستان بیان کی ہے وہ امام التاریخ کے بیان کردہ افسانہ سے بالکل جدا ہے، اس میں مذکور ہے کہ عمر بن سعد کا دستہ فوج تو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حفاظت پر مامور تھا اس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے سرے سے جنگ ہی نہیں کی۔ بلکہ یہ تو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ان کے اہلِ بیت کو ان کوفیوں کے ہاتھ سے بچانے کے لیے آیا تھا، مگر افسوس کہ اس دستہ فوج کے پہنچتے پہنچتے آپ کو قتل کر ڈالا گیا اور عمر بن سعد کف افسوس مل کر رہ گیا آخر یزیدی فوج نے گھیر گھیر کر ان سب قاتلانِ حسین کا کام تمام کر دیا۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بکجا

ہمارے نزدیک تو ناصبیوں کے امام صاحب اور مجلس کے داستان گو دونوں ہی فسانہ طرازی اور داستان گوئی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اس لیے ان سے سچ بولنے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ فرق ہے تو بس اتنا کہ ناصبیوں کے شیخ الاسلام عباسی صاحب نے اپنے پیش رو مستشرقین یہود و نصاریٰ ضالین ومغضوبین کی اتباع میں یہ بیان دیا ہے جن کو وہ آزاد اور بے لاگ محقق مانتے ہیں، چنانچہ انھوں نے اس بات کو چھپایا بھی نہیں ہے بلکہ اپنے بیان کے ثبوت میں "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" کے مقالہ نویس کا حوالہ دے کر اس کو صاف ظاہر بھی کر دیا ہے۔ لیکن "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کے داستان گو کا سارا بیان خانہ ساز وطبع زاد ہے۔ بہرحال اب شیعان اموی "مجلس عثمان غنیؓ" کو چاہیے کہ اپنے تمام اراکین مجلس کا اجلاس طلب کر کے پہلے یہ طے کریں کہ ان کے امام صاحب اور "داستان گو" دونوں میں سے کس کی بات سچی ہے اور کس کی جھوٹی؟ اور جب یہ فیصلہ کر چکیں تو پھر مسلمانوں سے مخاطب ہوں۔

داستان گو کی حساب دانی

(۲) "داستان گو" صاحب کی حساب دانی کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ بھی شمار نہ کر سکے کہ ۲۸؍ رجب سے لے کر ۱۰؍ ذی الحجہ تک کتنے دن ہوتے ہیں، سب جانتے ہیں کہ رجب کا چاند اگر تیس ۳۰ دن کا ہو تو چار مہینے بارہ دن ہوں گے ورنہ چار مہینے گیارہ دن، گویا اپنے کمال سے اسے چھ مہینے کی مدت بنا رہے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

"۲۸؍ رجب سنہ ۶۰ ہجری کو امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو گئی"

(داستان کربلا ص ۳)

"منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسینؓ مکہ سے کوفہ کے

لیے روانہ ہوئے، اس وقت امیر یزید کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ ہو چکے تھے۔

(داستان کربلا ص ۴۳)

سچ ہے کہ   دروغ گو را حافظہ نباشد

دوسرے جھوٹ کی تنقیح

(۳) "داستان کربلا" "دمشق" پر جو یہ مرقوم ہے کہ

"دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا، حتی کہ آپ نے یہاں تک فرمایا

"افسوس تمہیں لوگ ہو جنھوں نے میرے والد حضرت علی کو دھوکہ میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسن کو زخمی کیا اور رسوا بنایا اور میرے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کرا دیا، سچ ہے جو بھی تمہارے دھوکہ میں آ جائے وہ بڑا احمق ہے۔"

(جلاء العیون طبری)

سو محض غلط ہے "داستان گو" صاحب کی عادت ہے کہ وہ موقع بے موقع کہیں بھی غلط بیانی سے نہیں چوکتے اور داستان تو پھر داستان ہی ہے اس کے بارے میں تو پہلے ہی مشہور ہے کہ

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کیلئے

اس لیے انھوں نے یہاں، موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ کی بجائے بہت کچھ بڑھا دیا ہے۔ مؤرخ طبری کے بیان کے مطابق واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت حسین

رضی اللہ تعالےٰ عنہ مقام شراف سے چل کر (جو واقصہ سے دو میل پر ہے) "کوہ ذی حسم" کے دامن میں خیمہ زن ہوئے، تو حر بن یزید تمیمی یربوعی ایک ہزار سواروں کے ساتھ آپ کے مقابل آکر اتر پڑا، دوپہر کا وقت تھا۔ تمازتِ آفتاب نے حر اس کی فوج اور سواریوں کو پیاس سے بے تاب کر رکھا تھا۔ ساقی کوثر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نواسے سے ان کا یہ حال دیکھا نہ گیا، فوراً اپنے خدام کو حکم دیا کہ ان کو اور ان کی سواریوں کو پانی پلا کر خوب سیراب کر دیا جائے، تعمیلِ حکم میں دیر نہ لگی، اول سے آخر تک سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور اپنی سواریوں کو بھی پلایا۔ حر کو قادسیہ سے حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے بھیجا گیا تھا اور اس کو حکم دیا گیا تھا کہ حسینی کاروان کو عبید اللہ بن زیاد کے سامنے کوفہ میں لا کر پیش کیا جائے۔ عبید اللہ بن زیاد کو جو یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر ہو کر آیا تھا۔ جب یہ خبر ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کوفہ کے قصد سے مکہ معظمہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو اس نے کوفہ کے پولیس افسر حصین بن تمیم کو کوفہ سے یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ قادسیہ میں جا کر پڑاؤ ڈالے اور قطقطانہ سے لے کر خفان تک مسلح کیمپ قائم کر کے ان کا کنٹرول سنبھالے، چنانچہ اسی ہدایت کے مطابق اس نے اپنے سامنے حر کی کمان میں ایک ہزار سوار دے کر ان کو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مقابل بھیجا تھا، ظہر کا وقت ہوا، تو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حجاج بن مسروق جعفی کو اذان کے لیے فرمایا۔ حجاج نے اذان دی۔ اقامت کا وقت آیا تو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ ردا و ازار زیب تن کیے نعلین پہنے تشریف لائے اور حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

ایها الناس انها معذرة الی الله   لوگو! اللہ عزوجل اور تم لوگوں کے سامنے

عز وجل و الیکم، انی لم آتکم حتی اتتنی کتبکم وقدمت علیّ رسلکم ان اقدم علینا فانہ لیس لنا امام لعل اللہ یجمعنا بک علی الھدی فان کنتم علی ذالک فقد جئتکم فان تعطونی ما اطمئن الیہ من عھودکم ومواثیقکم اقدم مصرکم وان لم تفعلوا وکنتم لمقدمی کارھین انصرف عنکم الی المکان الذی اقبلت منہ الیکم۔ (تاریخ الطبری ج ۸ ص ۲۳)

میرا یہ عذر ہے کہ میں تمہارے پاس اس وقت تک نہیں آیا، جب تک کہ تمہارے خطوط اور تمہارے قاصد یہ پیام لے کر میرے پاس نہیں آئے کہ "آپ ہمارے یہاں تشریف لائیے۔ ہمارا کوئی امام نہیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے ہمیں ہدایت پر جمع کر دے۔" سو تم اب بھی اگر اسی بات پر قائم ہو تو میں تمہارے پاس آ چکا ہوں اب اگر تم مجھ سے ایسے عہد و پیمان کرو کہ جن سے مجھے اطمینان ہو جائے، تو میں تمہارے شہر میں چلا چلوں گا اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں تمہیں چھوڑ کر اسی جگہ چلا جاتا ہوں جہاں سے تمہاری طرف آیا تھا۔

اس وقت تو آپ کی تقریر سن کر حرؓ اور اس کے ساتھی خاموش رہے اور مؤذن سے کہنے لگے اقامت کہو۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرؓ سے دریافت کیا کہ کیا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ نماز پڑھو گے، اس نے جواب دیا نہیں، بلکہ آپ امامت کریں ہم آپ کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے، چنانچہ آپ نے ظہر کی امامت فرمائی۔ عصر کی نماز کے بعد پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرؓ اور اس کی فوج سے خطاب فرمایا اور حمد و ثناء الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا:

اما بعد، ایها الناس، فانکم ان تتقوا و تعرفوا الحق لاهله یکن ارضی للہ، و نحن اهل البیت اولی بولایۃ ھذا الامر علیکم من ھؤلاء المدعین مالیس لهم، والسائرین فیکم بالجور والعدوان، وان انتم کرهتمونا وجهلتم حقنا، وکان رأیکم غیر ما اتتنی کتبکم، وقدمت به علیّ رسلکم انصرفت عنکم (طبری ص۲۳۲ ج۶)

اما بعد، اے لوگو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو اور اہلِ حق کا حق پہچان لو تو یہ بات اللہ تعالیٰ کو زیادہ راضی کرنے والی ہے اور ہم اہلِ بیت ان ناحق کے مدعیوں اور تم پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کی بہ نسبت تمہارے ولی امر ہونے کے زیادہ حقدار ہیں اور اگر تم ہم کو ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق سے منکر ہوتے ہو اور تمہاری رائے وہ نہیں رہی جو تمہارے خطوط میں بیان کی گئی تھی اور جس کا تمہارے قاصد میرے پاس پیام لے کر آئے تھے تو پھر میں واپس ہوئے جاتا ہوں۔

اب حُر نے آپ کی تقریر سن کر جواب میں کہا۔

انا واللہ ماندری ما ھذہ الکتب التی تذکر۔ (ص۲۳۲ ج۶)

خدا کی قسم ہم نہیں جانتے، آپ کن خطوط کا ذکر فرما رہے ہیں۔

اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ خدا وہ دونوں خرجینیں تو لاؤ جن میں میرے نام ان کوفیوں کے خطوط ہیں، چنانچہ وہ دونوں خرجینیں جو خطوط سے پر تھیں، ان لوگوں کے سامنے لاکر خالی کردی گئیں اور آپ نے ان خطوط کو پھیلا کر ان کے سامنے ڈال دیا، حرّ نے اب بھی یہی جواب دیا کہ،

فانا لسنا ھؤلاء الذین کتبوا

ہم تو وہ نہیں ہیں جنہوں نے

الیک، و قد امرنا اذا نحن لقیناک الا نفارقک حتی نقدمک علی عبید اللہ بن زیاد (ص ۳۰۲ / ج ۵)

آپ کو خطوط لکھے تھے، ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ جیسے ہی آپ کا ہمارا آمنا سامنا ہو تو اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑیں جب تک کہ عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لے جا کر پیش نہ کر دیں۔

اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالٰے نے فرمایا۔

الموت ادنی الیک من ذلک

اس کی تعمیل میں تو موت تمہارے زیادہ قریب ہے

یہ فرما کر حضرت ممدوح نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ چلو سوار ہو کر واپس چلیں۔ مگر جب یہ حضرات سوار ہو کر وطن واپس جانے کے لیے آمادہ ہوئے تو حرّ اور اس کا رسالہ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، حضرت حسین رضی اللہ تعالٰے عنہ نے حرّ سے فرمایا، آخر تم کیا چاہتے ہو حرّ نے پھر وہی جواب دیا۔

ارید و اللہ ان انطلق بک الی عبید اللہ بن زیاد (ص ۳۰۲ / ج ۵)

بخدا میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے چلوں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اذن و اللہ لا اتبعک۔

خدا کی قسم، ایسی صورت میں میں تیرا تابع نہیں ہو سکتا۔

اس پر حرّ نے کہا۔

اذن و اللہ لاَ اَدَعُکَ

خدا کی قسم میں بھی اب تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔

طرفین سے گفتگو میں تلخی بڑھی تو حرّ کہنے لگا کہ مجھے آپ سے قتال کا تو حکم نہیں ملا، البتہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں آپ کا پیچھا نہ چھوڑوں اب اگر آپ نہیں مانتے تو پھر ایسی راہ لیجئے جو نہ کوفہ کو جاتی ہو اور نہ مدینہ کو، یہ بات میرے اور آپ کے مابین انصاف کی ہے۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اور آپ

چاہیں تو یزید بن معاویہ کو لکھیں چاہیں عبید اللہ بن زیاد کو، شاید اللہ تعالےٰ اس میں کوئی ایسی عافیت کی صورت پیدا کر دے کہ مجھے آپ کے بارے میں کوئی ابتلا نہ پیش آئے"

چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عذیب اور قادسیہ کی راہ پر بائیں سمت کو مڑ گئے، حرؓ کا دستہ ساتھ نہیں چھوڑتا تھا، اگلی منزل میں جب مقام بیضہ پر پہنچے جو واقصہ اور عذیب کے مابین پانی کا ایک تالاب تھا، تو آپ نے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس کا حوالہ "داستان گو" نے دیا ہے اور اس کے نقل کرنے سے پہلے اپنے جی سے گھڑ کر یہ اضافہ کر دیا ہے:

> "دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں آپ نے اس سے انکار کیا حتیٰ آپ نے یہاں تک فرمایا الخ" ("داستان کربلا" ص ۴۸)

حالانکہ تاریخ طبری میں کہیں اس بات کا نام ونشان تک نہیں جو "داستان گو" نے بیان کی ہے چنانچہ طبری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو جو درج ذیل ہے۔

ان الحسین خطب أصحابه و أصحاب الحر بالبیضة فحمد الله واثنی علیه ثم قال ایها الناس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال "من رأی سلطاناً جائراً مستحلاً لحرم الله ناکثاً لعهد الله

حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مقام "بیضہ" میں پہنچ کر اپنے اصحاب اور حرؓ کے رفقاء کے سامنے خطبہ دیا، جس میں حق تعالےٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا لوگو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے "جو کسی ظالم حکمران کو اس

مخالفاً لسنة رسول الله يعمل في عباد الله بالاثم والعدوان فلم يغير عليه بفعل ولا قول، كان حقاً على الله ان يدخله مدخله، الا وان هؤلاء قد لزموا طاعة الشيطان وتركوا طاعة الرحمٰن واظهروا الفساد وعطلوا الحدود فاستأثروا بالفئ، واحلوا حرام الله وحرموا حلاله، وانا احق من غيّر قد أتتني كتبكم وقدمت على رسلكم ببيعتكم انكم لا تسلموني ولا تخذلوني فان تممتم على بيعتكم تصيبوا رشدكم فانا الحسين بن علي وابن فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، نفسي مع انفسكم واهلي مع اهليكم فلكم في اسوة وان لم تفعلوا ونقضتم عهدكم وخلعتم بيعتي من اعناقكم فلعمري ما هي لكم بنكر لقد فعلتموها بابي واخي وابن عمي

حال میں دیکھے کہ وہ محرماتِ الٰہی کو حلال کر رہا ہو، اللہ تعالےٰ کے عہد و پیمان کو توڑ رہا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مخالف ہو اور اللہ تعالےٰ کے بندوں کے ساتھ گناہ اور زیادتی کا معاملہ کرتا ہو اور پھر اپنے قول و فعل سے اس کے خلاف تبدیلی نہ برپا کرے تو اللہ تعالےٰ اس کو بھی اسی کے ٹھکانے پر پہنچانے میں حق بجانب ہیں" خبردار! ان لوگوں (حکمران ٹولے) نے رحمٰن کی اطاعت چھوڑ کر شیطان کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ ملک میں فساد پھیلا دیا۔ حدودِ الٰہی معطل کر دیں۔ مالِ غنیمت اپنے لیے مخصوص کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا۔ چنانچہ اس صورت * حال میں تبدیلی لانے کا میں سب سے زیادہ حق رکھتا ہوں، تمہارے خطوط میرے پاس آ چکے ہیں اور تمہارے قاصد تمہاری اس امر پر بیعت کی خبر لے کر پہنچ چکے ہیں کہ تم مجھے بے یار

مسلم بن عقيل، والمغرور من اغتر بكم فحظكم أخطأتم، ونصيبكم ضيعتم، ومن نكث فإنما ينكث على نفسه وسيغني الله عنكم والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۴۰۳
طبع دار المعارف قاہرہ ۱۹۶۳ء)

و مددگار نہیں چھوڑو گے پھر اگر تم اپنی بیعت کی تکمیل کرتے ہو تو اپنی بھلائی کو پالو گے، کیونکہ میں حسین بن علی ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر اطہر فاطمہ کا بیٹا ہوں۔ میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ اور میرے اہل وعیال تمہارے اہل وعیال کے ساتھ ہیں، تمہارے لیے میں نمونہ ہوں اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور اپنے عہد وپیمان کو توڑتے ہو اور میری بیعت کو اپنی گردنوں سے اتار پھینکتے ہو تو بجان من یہ تم سے کچھ بعید بھی نہیں، تم نے میرے باپ، میرے بھائی، اور میرے برادر عمزاد مسلم بن عقیل کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا ہے وہ فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکہ میں آئے۔ تم نے اپنے فائدہ کو کھویا اور اپنی قسمت کو خراب کیا "جو شخص بھی عہد توڑے گا اس کا زیاں خود اسی کو اٹھانا پڑے گا" اور اللہ تعالیٰ عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔

یہ ہے وہ تفصیل جو مؤرخ طبری نے ۶۱ ہجری کے حوادث کو بیان کرتے ہوئے "مقتل حسین" کے ضمن میں بیان کی ہے اس میں اول سے آخر تک کہیں ان ساٹھ کوفی حضرات کا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے کوئی ذکر نہیں بس مقام "بیضہ" پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حر کے لشکر کے سامنے جو تقریر فرمائی، اس کا ذکر ہے اس تقریر میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حر اور اس کی فوج کے سواروں سے مخاطب ہیں۔

اپنے ہی اصحاب سے نہیں جو کہ مغلظ سے آپ کے ہمرکاب تھے، حرؓ اور اس کی فوج پر حجت قائم کرنے کے بعد آپ اپنے قافلہ کے ساتھ عازمِ مدینہ ہونا چاہتے ہیں، حرؓ اور اس کا رسالہ سدِ راہ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور آپ کو مدینہ طیبہ کی طرف جانے نہیں دیتا، مگر " داستان گو" صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجائے مدینہ طیبہ کے یزید کی بیعت کے لیے دمشق جا رہے تھے اور آپ کے ساتھیوں نے سازش کر کے عصر و مغرب کے مابین کیمپ میں اچانک حملہ کر کے آپ کو شہید کر ڈالا اور پھر اس پر طبری کا حوالہ بھی دے رہے ہیں، مطمئن ہیں کہ کون اصل کتاب سے مراجعت کرے گا جو ہمارے جھوٹ کی پول کھلے گی اور ابلہ فریبی کا پردہ چاک ہوگا۔ بھلا سوچنے کی بات ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ یہ خطاب اپنے ان جان نثار ساتھیوں سے کریں گے جو کہ مغلظ سے آپ کے ساتھ تھے اور جنہوں نے آپ ہی کے سامنے میدانِ کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا (رضی اللہ تعالےٰ عنہم)۔ اور طبری میں " داستان گو" صاحب کو وہ کونسا لفظ ملا ہے جس کا ترجمہ بڑا احمق کیا گیا ہے؟

" جلاء العیون " کے بارے میں اسی " داستانِ کربلا " کے الفاظ ہیں

" شیعہ کتاب جلاء العیون "

اس لیے ہمیں اس سے مراجعت کی ضرورت نہیں، گو" داستان گو" صاحب کی بات کا بھی کچھ اعتبار نہیں۔ دروغ گوئی اور بہتان طرازی روافض و نواصب دونوں کا شیوہ ہے۔

معلوم نہیں کہ " مجلس حضرت عثمان غنیؓ " کیوں عام مسلمانوں کو ایک غلط بات کو صحیح باور کرانے پر تلی ہوئی ہے، تمام اہل السنت والجماعۃ حضرات صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کے بارے میں رافضیوں کی خرافات پر

اعتقاد کرتے ہیں، نہ ناصبیوں کی بکواس پر، اور نہ ان کے بڑے بھائی خارجیوں کی لغویات پر، کیونکہ رافضیوں کو حضرات خلفاء ثلاثہ اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیر ہے اور خارجیوں کو حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے رفقاء سے عناد ہے اور ناصبیوں کو بالخصوص حضرت علی، حضرات حسنین اور ان کی اولاد امجاد رضی اللہ عنہم سے۔ "نواصب" کو اگلے زمانہ میں "شیعہ عثمان" "شیعہ مروانیہ" اور "شیعہ امویہ" کہا جاتا تھا، بنی امیہ کی حکومت کے ساتھ ایک فرقہ کی حیثیت سے ان کا وجود بھی ختم ہو گیا تھا، اب پھر محمود احمد عباسی نے "خلافت معاویہ ویزید" لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ابھارا ہے۔ "مجلس عثمان غنی" بھی اپنے شائع کردہ کتابچوں کے ذریعہ اسی فتنہ کو ہوا دے رہی ہے، اور ان سادہ لوح مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کے درپے ہے جن کو اپنی نادانی سے اس فتنہ کا علم نہیں ہو سکا ہے، وہ اپنی سادگی سے یہی سمجھ رہے ہیں کہ یہ بھی کوئی روافض کی تردید کا مشغلہ ہے حالانکہ اصل بات یہ نہیں بلکہ یہ ناصبی شیعان عثمان "مجلس حضرت عثمان غنی" کے نام پر رافضیوں کے تمام سب و شتم کا بدلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لینا چاہتے ہیں سچ ہے۔

ما سلم الصدیق من رافض ما نجی من ناصبین علی

(حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی رافضی کے تبرا سے محفوظ نہ رہ سکے اور ناصبیوں کی طعن سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجات نہ ملی)

تیسرے جھوٹ کی تصحیح کہ یزید کی فوج نے حضرت حسین کو قتل نہیں کیا

(۳) "داستان گو" صاحب نے "البدایہ والنہایہ" کی عربی

عبارت سے اس داستان کا آغاز کیا اور اس کا ترجمہ بھی آگے چل کر لکھا مگر صفحہ اور جلد کا حوالہ غلط دیا یعنی (جلد نہم صفحہ ۱۵۳) لکھا حالانکہ یہ عبارت جلد ہشتم میں ہے غنیمت ہے ان کو یہ تسلیم ہے کہ

"البدایہ والنہایہ" مشہور عربی تاریخ ہے"

مگر تعجب ہے کہ حافظ ابن کثیر نے اسی "البدایہ والنہایہ" کے اسی صفحہ پر جو یہ لکھا ہے وہ نظر نہ آیا:

كتب يزيد الى ابن زياد انه قد بلغني ان حسيناً قد سار الى الكوفة وقد ابتلى به زمانك من بين الازمان وبلدك من بين البلدان وابتليت انت به من بين العمال وعندها تعتق او تعود عبداً كما ترق العبيد وتعبد فقتله ابن زياد، وبعث برأسه اليه۔ (ج: ۸ ص ۱۹۵ طبع بیروت ۱۹۶۶ء)	یزید نے ابن زیاد کو لکھا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حسین کوفہ کی طرف چل پڑے ہیں، اب زمانوں میں تیرا زمانہ اور شہروں میں تیرا شہر ان کے بارے میں مبتلا ہوا ہے اور گورنروں میں تو خود ان کے معاملہ میں مبتلا ہو چکا ہے اور ایسی صورت میں یا تو تو آزاد کر دیا جائے گا یا جس طرح غلاموں کو غلام رکھا جاتا ہے تجھے بھی غلام بنا دیا جائیگا چنانچہ ابن زیاد نے حضرت حسین کو قتل کر کے ان کا سر یزید کے پاس بھیج دیا۔

اسی "البدایہ والنہایہ" میں یہ بھی ہے کہ

وبعث عبيد الله بن زياد عمر بن سعد لقتالهم۔ (صفحہ ۱۷۰ ج - ۸)	عبید اللہ بن زیاد نے عمر بن سعد کو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ان کے رفقاء سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا

اور یہ بھی کہ

وابطأ عمر عن قتاله فارسل ابن زیاد شمر بن ذی الجوشن وقال له ان تقدم عمر فقاتل والا فاقتله وکن مکانه فقد ولیتك الامرة۔ (ج۔۸ ص ۱۷۰)

عمر (ابن سعد) نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال میں "تاخیر سے کام لیا" تو ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کو یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر عمر قتال میں پیش قدمی کرے تو تو بھی جنگ میں شریک ہو جائیو ورنہ عمر (ابن سعد) کو قتل کرکے اس کی جگہ خود سنبھال لیجیو، میں تجھ کو امیر لشکر کرتا ہوں"

اس فوج کی تعداد جو عمر بن سعد کی کمان میں تھی "البدایہ والنھایہ" ہی میں یہ بتائی ہے کہ

وکانوا اربعة الاف یریدون قتال الدیلم، فعینهم ابن زیاد وصرفهم الی قتال الحسین۔ (ج۔۸ ص ۱۶۹)

چار ہزار سپاہی تھے جو دیلم سے جنگ کرنے کے ارادہ سے چلے تھے ان کو ابن زیاد نے قتال دیلم سے روک کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال کے لیے متعین کیا۔

عمر بن سعد کو تعمیلِ حکم سے کب انکار تھا جیسے ہی ابن زیاد کا حکم اس کو پہنچا،

فوثب الی فرسه فرکبها ثم دعا بسلاحه فلبسه وانه لعلی فرسه ونهض بالناس الیهم فقاتلوهم فجیئ برأس الحسین الی ابن زیاد فوضع بین یدیه فجعل یقول بقضیبه فی انفه و

عمر بن سعد جھپٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا پھر سواری ہی کی حالت میں اپنے ہتھیار منگوا کر ان کو اپنے بدن پر سجایا اور فوج لے کر سیدھا ان حضرات کے مقابلہ کے لیے چل پڑا، فوج نے جاتے ہی کشت و خون شروع کر دیا، چنانچہ

يقول ان ابا عبد الله كان قد شمط

(ج ۸ ص ۱۷۱)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک کاٹ کر ابن زیاد کے سامنے ڈال دیا گیا اور ابن زیاد اپنی چھڑی آپکی ناک پر رکھتا اور کہتا کہ ابو عبد اللہ کے بال تو اب پک چکے ہیں۔

شمر اپنی خباثت سے فوج کے سپاہیوں کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر اس وقت بھی ابھار رہا تھا جب کہ آپ کے تمام رفقاء یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش کر کے راہی جنت ہو چکے تھے اور آپ یک و تنہا میدانِ قتال میں ثابت قدم تھے اور کیوں نہ ہو حضرت ممدوح نے تو اس کو دیکھتے ہی فرمادیا تھا،

صدق الله ورسوله قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كانى انظر الى كلب ابقع يلغ فى دماء اهل بيتى

اللہ سچا، اس کا رسول سچا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا گویا میں دیکھ رہا ہوں اس چتکبرے کتے کو جو میرے اہل بیت کے خون میں منہ ڈالے گا

(البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۱۸۵)

اس روایت کے آخر میں راوی کی یہ بھی تصریح ہے۔

وكان شمر قبحه الله ابرص

شمر اللہ اس کا برا کرے برص میں مبتلا تھا

(ج ص ۱۸۹)

مگر "داستان گو" اسی کتے کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں، قاتلوں کو محافظ بتا رہے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

"عمر بن سعد، شمر ذی الجوشن، خاندانِ علی کو کوفیوں کے حملے سے بچانے کے لیے دوڑ کر پہنچے"

(ص ۱۰)

"عمر بن سعد اور شمر نے خاندانِ علی کی لاشوں کو اکٹھا کیا ان کی نماز

جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا، کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا بلکہ دستہ کے بعض سواروں نے انھیں پامال بھی کیا تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں" (ص ۱۰)

حالانکہ "البدایہ والنھایہ" میں اس کے برعکس مرقوم ہے۔

وقتل من اصحاب الحسین اثنان وسبعون نفساً فدفنهم اهل الغاضریة من بنی اسد بعد ما قتلوا بیوم واحد	حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے بہتّر نفوس شہید ہوئے جن کو غاضریہ کے رہنے والے قبیلہ بنی اسد کے لوگوں نے قتل کے دوسرے دن دفن کیا

(ص ۱۸۹ / ج ۸)

"غاضریہ" کوفہ کے نواح میں "کربلا" کے قریب ایک قریہ کا نام ہے جو قبیلہ بنو اسد کا مسکن تھا، ہاں عمر بن سعد نے اپنی فوج کے مقتولین پر جو شہداء کربلا کے ہاتھوں مارے گئے تھے بے شک نمازِ جنازہ ادا کی تھی اور انھیں کی لاشوں کو اس نے دفن بھی کیا تھا۔ "البدایہ والنھایہ" میں ہے

وقتل من اهل الکوفة من اصحاب عمر بن سعد ثمانیة وثمانین رجلاً سوی الجرحی فصلّی علیهم عمر بن سعد ودفنهم، ویقال ان عمر بن سعد امر عشرة فرسان فداسوا الحسین بخیولهم حتی الصقوه بالارض یوم المعرکة وامر	اور عمر بن سعد کے ساتھی اہل کوفہ میں سے اٹھاسی اشخاص قتل ہوئے، زخمیوں کی تعداد ان کے علاوہ ہے، عمر بن سعد نے ان مقتولین کی نماز جنازہ ادا کر کے ان کو دفن کیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ عمر بن سعد نے معرکہ کے دن دس سواروں کو حکم دیا جنھوں نے اپنی گھوڑوں کے سموں سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

برأسه ان يحمل من يومه الى ابن زياد مع خولى بن يزيد الاصبحى۔

(ج ۸ ص ۱۸۹)

کے لاشہ کو پامال کر کے پیوند زمین کر دیا اور آپ کے سر مبارک کے متعلق آرڈر دیا کہ اسی دن اس کو اٹھا کر خولی بن یزید اصبحی کے ساتھ ابن زیاد کو بھیجوا دیا جائے۔

نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک بلکہ تمام شہداء کربلا کے سر کاٹ کر جن میں یہ ساٹھ حضرات بھی شامل تھے خولی کے ساتھ ابن زیاد کے پاس روانہ کر دیے گئے تھے، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک جب عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا تو اس نے شہر میں منادی کرا کر لوگوں کو جمع کیا اور پھر ان کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں اپنی فتح و کامرانی کی تقریر بھی کی۔ اس تقریر میں حضرت ممدوح پر طعن و طنز بھی تھا جس پر عبد اللہ بن عفیف ازدی نے برافروختہ ہو کر ابن زیاد کو ان الفاظ میں ٹوکا۔

ويحك يا ابن زياد! تقتلون اولاد النبيين وتتكلمون بكلام الصديقين

ابن زیاد تجھ پر افسوس! تم لوگ انبیاء کی اولاد کو قتل کر کے صدیقوں کی سی باتیں کرتے ہو۔

اس کلمہ حق کو سننے کی بھلا ابن زیاد میں تاب کہاں تھی فوراً حکم دیا کہ اس گستاخی کی پاداش میں اس غریب کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے زاں بعد "سرِ حسین" کا کوفہ کے تمام گلی کوچوں میں گشت کرایا گیا پھر زحر بن قیس کی معیت میں تمام شہداء کربلا کے مبارک سروں کو یزید بن معاویہ کے پاس شام روانہ کر دیا، دربار یزید میں پہنچ کر زحر بن قیس نے اپنے سیاہ کارنامہ کو جن الفاظ میں پیش کیا، وہ یہ ہیں۔

ابشر یا امیر المؤمنین بفتح الله علیک ونصره، ورد علینا الحسین بن علی بن أبی طالب وثمانیة عشر من اهل بیته وستون رجلاً من شیعته فسرنا الیهم فسألناهم ان یستسلموا وینزلوا علی حکم الامیر عبید الله بن زیاد او القتال، فاختاروا القتال فغدونا الیهم مع شروق الشمس فاحطنا بهم من کل ناحیة حتی اخذ السیوف ماخذها من هام القوم، فجعلوا یهربون الی غیر مهرب ولا وزر، ویلوذون منا بالآکام والحفر لوذاً کما لاذ الحمام من صقر، فوالله ما کانوا الا جزر جزور او نومة قائل حتی أتینا علی آخرهم فهاتیک اجسادهم مجردة و ثیابهم مزملة وخدودهم معفرة، تصهرهم الشمس وتسفی علیهم الریح و ازرهم العقبان والرخم

امیر المؤمنین آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت کی بشارت ہو حسین بن علی بن ابی طالب اور ان کے اہل بیت کے اٹھارہ افراد اور ان کے شیعان میں سے ساٹھ اشخاص ہمارے یہاں وارد ہوئے تو ہم بھی ان کی طرف چل پڑے اور ہم نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ امیر عبید اللہ بن زیاد کے آگے سر تسلیم خم کر دیں اور اس کے حکم پر آپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں، انہوں نے جنگ ہی کو پسند کیا، تو ہم نے صبح سویرے جیسے ہی آفتاب چمکا ان لوگوں کو جا لیا اور ہر طرف سے ان کو گھیر لیا، آخر جب تلواروں نے ان کی کھوپڑیوں کی صحیح صحیح گرفت شروع کی، تو یہ ادھر بھاگنے لگے جدھر بھاگنے کی ان کے لیے نہ کوئی جگہ تھی نہ جائے پناہ اور جس طرح شکرہ سے کبوتر پناہ ڈھونڈتا ہے یہ بھی ٹیلوں اور گڑھوں میں ہم سے پناہ ڈھونڈنے لگے، سو خدا کی قسم بس جتنی دیر میں اونٹ کاٹ کر رکھ دیا جاتا ہے یا قیلولہ کرنے والا اپنی نیند پوری کر لیتا ہے اتنی دیر میں ہم نے ان کے آخری فرد تک کا کام تمام کر دیا سو اب ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں اور ان کے

کپڑے لپیٹے جا چکے ہیں ان کے رخسار خاک میں لتھڑے ہوئے ہیں دھوپ ان کو جلا رہی ہے اور ہوا ان پر خاک اڑاتی ہے عقاب اور گدھ ان کی لاشوں پر منڈلا رہے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۹۱ ج ۸)

زحر بن قیس نے بھی اگرچہ یزید کے سامنے اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتے ہوئے ان حضرات کی ہجو میں کچھ کم جھوٹ نہیں بکا ہے، تاہم "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کے داستان گو کے علی الرغم اس نے صاف اقرار کیا ہے کہ وہ ساٹھ کوفی حضرات جو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی معیت میں تھے، انہوں نے حضرت ممدوح کی نصرت ہی میں اپنی جانیں نثار کی تھیں اور خود کوفہ کے گورنر عبیداللہ بن زیاد کا اس بارے میں اعتراف موجود ہے یزید نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا، تو اس مہم کی سرکردگی کے لیے بھی اس کی نظرِ انتخاب سب سے پہلے ابن زیاد ہی پر پڑی تھی، چنانچہ جب اس خدمت کی انجام دہی کے لیے یزید نے اس کو لکھ کر بھیجا، تو ابن زیاد کی زبان سے بے اختیار یہ نکل گیا کہ

واللہ لا اجمعھما للفاسق اُبدا اقتل ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واغزو البیت الحرام

(البدایہ والنہایہ ص ۲۱۹ ج ۸)

خدا کی قسم میں اس فاسق کی خاطر کبھی بھی دونوں گناہ اپنے نامۂ اعمال میں جمع نہیں کر سکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو تو قتل کر دیا، اب بیت الحرام پر چڑھائی کر دوں

یاد رکھیے "داستان گو" صاحب نے جن شہداء کرام کے بارے میں یہ ہرزہ سرائی کی ہے، یہ وہی شہداء کرام ہیں جن کے بارے میں وارد ہے کہ "وہ جنت میں بے حساب داخل ہوں گے" چنانچہ حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔

وقد روی محمد بن سعد وغیرہ من غیر وجه عن علی بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنه انه مرّ بکربلاء عند اشجار الحنظل وهو ذاهب الی صفین، فسأل عن اسمها فقیل کربلاء، فقال کرب وبلاء، فنزل وصلّی عند شجرة هناك ثم قال یقتل ههنا شهداء هم خیر الشهداء غیر الصحابة یدخلون الجنة بغیر حساب۔ واشار الی مکان هناك فعلموه بشیٔ فقتل فیه الحسین۔

(ج-۸ ص۱۹۹، ۲۰۰)

حافظ محمد بن سعد وغیرہ نے متعدد اسانید سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ "صفین" کی طرف جا رہے تھے تو مقام کربلا میں حنظل (اندرائن) کے درختوں کے پاس سے گزرے آپ نے اس مقام کا نام دریافت کیا تو بتلایا گیا "کربلا" ہے فرمایا کرب وبلا ہے، پھر سواری سے اتر کر آپ نے وہاں ایک درخت کے پاس نماز پڑھی پھر ارشاد فرمایا کہ "یہاں وہ شہداء قتل کیے جائیں گے جو صحابہ کے علاوہ بہترین شہداء ہوں گے اور بلا حساب جنت میں جائیں گے اور یہ (فرماتے ہوئے) آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا لوگوں نے وہاں کچھ نشانی بھی لگا دی، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اسی جگہ پر قتل ہوئے۔

ظلم کا انجام

یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی نسل کو ختم کرنا چاہا تھا۔ مگر حق تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی نسل تو چار دانگ عالم میں پھیل گئی اور آج حسینی سادات اقالیم اسلامی کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں۔ لیکن یزید کی نسل اسی زمانہ سے ایسی نابود ہونا شروع ہوئی کہ پردہ دنیا سے اس کا وجود ہی اٹھ گیا۔ حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں یزید بن معاویہ کی بیس صلبی اولاد کو نام بنام گنا کر جن میں

پندرہ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں، تصریح کی ہے۔

وقد انقرضوا کافۃ فلم یبق لیزید عقب (ج ۸، ص ۲۳۲)	سب ایسے ختم ہوئے کہ یزید کی نسل میں سے کوئی ایک بھی تو باقی نہ بچا۔

اور حافظ ابن کثیر ہی کے الفاظ ہیں۔

فانہ لم یمھل بعد وقعۃ الحرۃ وقتل الحسین الا یسیراً حتی قصمہ اللہ الذی قصم الجبابرۃ قبلہ و بعدہ، انہ کان علیما قدیراً۔	سو بلا شبہ واقعہ حرّہ اور قتل حسین کے بعد یزید کو ڈھیل نہ دی گئی مگر ذرا سی تا آنکہ حق تعالےٰ نے اس کو ہلاک کر دیا جو اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی ظالموں کو ہلاک کرتا رہا ہے بے شک وہ بڑا علم رکھتا ہے اور بڑی قدرت والا ہے۔

اور ۶۴ھ کے واقعات کے ذیل میں مسلم بن عقبہ کی موت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

ثم مات قبحہ اللہ ثم اتبعہ اللہ بیزید بن معاویۃ فمات بعدہ فی ربیع الاول لاربع عشرۃ لیلۃ خلت منہ فما متعھما اللہ بشیٔ مما رجوہ واملوہ بل قھرھم القاھر فوق عبادہ و سلبھم الملک و نزعہ	پھر مسلم بن عقبہ، اللہ تعالیٰ اس کا برا کرے مر گیا اور یزید بن معاویہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے پیچھے چلتا کیا اور وہ بھی اس کے بعد ۱۴ ربیع الاوّل کو مر گیا اور ان دونوں کو جو امیدیں اور توقعات تھیں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کوئی بھی پوری نہ کی بلکہ اس ذات قاہرہ نے جو اپنے سب بندوں پر غالب ہے ان پر اپنا قہر نازل فرمایا اور انکی بادشاہی سلب کر لی اور ان کی سلطنت اس نے

منهم من ينزع الملك ممن يشاء۔

چھین لی جو جس سے چاہتا ہے اسکی سلطنت چھین لیتا ہے۔

اور پھر واقعہ حرّہ کے مظالم کو بیان کرتے ہوئے آخر میں ان کے قلم سے یہ الفاظ نکلتے ہیں۔

وقد اخطأ يزيد خطأً فاحشاً في قوله لمسلم بن عقبة ان يبيح المدينة ثلاثة أيام، وهذا خطأ كبير فاحش، مع ما انضم الى ذلك من قتل خلق من الصحابة وابناءهم وقد تقدم انه قتل الحسين واصحابة على يدي عبيدالله ابن زياد۔ وقد وقع في هذه الثلاثة ايام من المفاسد العظيمة في المدينة النبوية مالا يحد ولا يوصف، مما لا يعلمه الا الله عزوجل وقد اراد بارسال مسلم ابن عقبة توطيد سلطانه وملكه، ودوام أيامه

اور بے شک یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ حکم دے کر کہ "تو تین دن تک مدینہ منورہ کو تباہ و تاراج کیجیو"، فحش غلطی کی۔ یہ نہایت بڑی اور فاحش خطا ہے اور اس خطاء کے ساتھ صحابہ کرام اور اولاد صحابہ کی ایک خلقت کا قتل اور شامل ہو گیا اور سابق میں گزر چکا کہ عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو شہید کر دیا گیا اور ان تین دنوں میں مدینہ نبویہ میں وہ عظیم مفاسد برپا ہوئے کہ جو حد و شمار سے باہر ہیں اور جن کا بیان کرنا بھی ممکن نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کا پورا علم کسی کو نہیں۔

یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر اپنی بادشاہت اور سلطنت کو مضبوط کرنا چاہا تھا اور اس کا خیال تھا کہ اب بلا نزاع کے اس کے ایام سلطنت کو دوام نصیب ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ

من غير منازع، فعاقبه الله بنقيض قصده وحال بينه وبين ما يشتهيه فقصمه الله قاصم الجبابرة واخذه اخذ عزيز مقتدر وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ[1]۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۲)

نے اس کی مراد کو الٹ کر اسے سزا دی اس کی ذات عالی یزید کے اور اسکی خواہش کے درمیان حائل ہو گئی (کہ اس کی تمنا پوری نہ ہو سکی) چنانچہ اللہ عزوجل نے جو ظالموں کی کمر توڑ کر رکھ دیتا ہے اس کی کمر بھی توڑ ڈالی اور اسی طرح اس کو دھر پکڑا جس طرح کہ ہر چیز پر غالب اور اقتدار والا پکڑا کرتا ہے "اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہیں، بے شک اس کی پکڑ دردناک ہے شدت کی"

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

امویوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا

خلیفہ عبد الملک اموی نے یزید کے زوال اقتدار سے عبرت پکڑ کر ہی اپنے گورنر حجاج بن یوسف کو لکھا تھا کہ

جنبنی دماء آل بنی ابی طالب فانی رایت آل حرب[2] لما تهجموا بها لم ينصروا۔

([3]تاریخ یعقوبی ص ۳۰۳ ج ۲ طبع بیروت ۱۳۷۹ھ)

مجھے آل بنی ابو طالب کی خونریزی سے بچاتے رہنا کیونکہ میں آل حرب[2] کا انجام دیکھ چکا ہوں کہ یہ جب ان کی خونریزی پر پل پڑے تو بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے۔

---

[1] قرآن پاک کی آیت ہے۔

[2] "حرب" یزید کے پردادا کا نام ہے اور یہاں "آل حرب" سے خود یزید مراد ہے۔

[3] یعقوبی اگرچہ شیعی ہے مگر ہم نے یہاں اس کا حوالہ قصداً دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ خود ان

بقیہ [illegible] پر

افسوس یہ ناصبی حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شان ہی سے ناواقف ہیں حافظ ابنِ کثیر نے اس دور کا بالکل صحیح نقشہ کھینچا ہے کہ

الناس انما میلھم الی الحسین لانہ السید الکبیر و ابن بنت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فلیس علی وجہ الارض یومئذٍ احدٌ یسامیہ ولا یساویہ ولکن الدولۃ الیزیدیۃ کانت کلھا تناوئیہ۔ (البدایہ والنھایہ ج۔ ۸ ص ۱۵۱)

سب لوگوں کا میلان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی طرف تھا کیونکہ وہی سید کبیر اور سبط پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم تھے اور اس وقت روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو فضائل وکمالات میں، آپ کا مقابلہ یا برابری کر سکے لیکن یزیدی حکومت ساری کی ساری آپ کی دشمنی پر اتر آئی تھی۔

یہ ہے اختصار کے ساتھ صورت واقعہ کا اصل نقشہ جو حافظ ابن کثیر کی مشہور عربی تاریخ "البدایہ والنھایہ" سے انہی کے الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن "داستان گو" صاحب کو ان تمام حقائق سے انکار ہے، وہ اپنی من گھڑت ہی دہرائے جاتے ہیں اور ان کو تاریخ ابن کثیر کا صرف وہی ایک فقرہ یاد ہے جو انھوں نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لیے نقل کیا ہے، اللہ تعالےٰ جھوٹ بولنے سے بچائے۔

داستان گو کا حضرتِ ابنِ زبیر پر افترا

(۵) "داستان گو" صاحب آگے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بنو ہاشم کی خونریزی سے بچتے تھے ورنہ اس امر کا ذکر ابن تیمیہ کی "منہاج السنہ" میں بھی متعدد جگہ آیا ہے اور اسی لیے بنی امیہ کی شاخ بنی مروان سے بنی ہاشم کی قرابتیں بھی جاری رہیں اور ان میں باہمی رشتہ مناکحت بھی ہوتا رہا ہے۔ ورنہ خاندان یزید اور خاندان حسین میں واقعہ کربلا کے بعد قرابت کا کوئی سلسلہ قائم نہ ہوا۔ جیسا کہ محمود احمد عباسی نے خلافتِ معاویہ ویزید میں مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

چل کر "اصل حقیقت" کے زیرِ عنوان پھر اسی بات کو نئے سرے سے دہرا کر ابلہ فریبی کی اس طرح کوشش کرتے ہیں۔

"حضرت حسینؓ کا قتل ان کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے، اس کا ثبوت طبری کی اس روایت سے مل جاتا ہے جس میں اس حادثہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تقریر کا ذکر ہے (طبری حصہ چہارم ص ۱۲م) کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے قتل حسین کے سانحہ کی اطلاع پا کر اہل مکہ کے سامنے یہ تقریر کی تھی۔

"اہل عراق میں اکثر بدکردار اور غدار ہیں ان میں اہل کوفہ بدترین ہیں حسینؓ کو انھوں نے اس لیے بلایا کہ ان کی مدد کریں گے، جب وہ ان کے پاس چلے گئے تو ان سے لڑنے کھڑے ہو گئے، واللہ حسین یہ بات نہیں سمجھے کہ اس انبوہ کثیر میں ان کے مخلص ساتھی بہت تھوڑے ہیں۔"

"ان کے بقیہ اہل خاندان نے بھی ان کے قتل کا الزام کوفیوں پر ہی عائد کیا عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی کوفیوں کی غداری کو ہی قتل کا موجب بتایا اور اس وقت کی پوری اسلامی دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؓ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی۔"

("داستانِ کربلا" ص ۴۴۳-۴۵)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جو تقریر "داستان گو" صاحب نے نقل کی ہے غور فرمائیے! اس میں کہاں یہ ذکر ہے کہ "آپ کو انہی ساٹھ کوفیوں نے شہید کیا ہے جو آپ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے گئے تھے" کیا ان ساٹھ افراد کے علاوہ کوفہ میں اور کوئی متنفس نہیں بستا تھا؟ کیا کوفہ کی آبادی بس ان ہی ساٹھ نفوس پر مشتمل

تھی؟ کیا یزیدی لشکر جس کی نفری چار ہزار تھی اور جو عمر بن سعد کی سرکردگی میں ابن زیاد کے حکم سے حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے لڑنے آیا تھا کوفے سے نہیں آیا تھا؟ کیا اس فوج کے افراد کوفہ کے رہنے والے نہ تھے؟ کیا شمر کوفی نہ تھا؟ کیا عمر بن سعد کوفہ سے نہیں آیا تھا؟ کیا عبیداللہ بن زیاد اس وقت کوفہ کا گورنر نہ تھا؟

یہی کوفی تو تھے جو ابن زیاد کی ترغیب و تحریص پر عمر بن سعد کے

زیر کمان حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے لڑنے کے لئے آئے

یہی ان بہتّر نفوس کے قاتل ہیں جن میں حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ، ان کے اہلِ بیت اور وہ ساتھی کوفی شامل ہیں جو حضرت ممدوح کے ساتھ میدانِ "کربلا" میں شہید ہوئے۔ "داستان گو" صاحب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اہلِ بیت کرام کے خون کا الزام خلیفہ یزید، اس کے جا عمال عمّال اور یزیدی دستۂ فوج کی بجائے جو تمام تر کوفیوں پر مشتمل تھی اور جس کو ابن زیاد نے زور و زر سے رام کر کے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا، ان کوفی شہیدان کربلا پر ڈالنا چاہتے ہیں جنھوں نے بڑی بہادری کے ساتھ برضا و رغبت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی جانیں قربان کیں، ظاہر ہے جو شخص جھوٹ بولنے سے ذرا نہ شرماتا ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پر تہمت جوڑنے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متہم کرے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کو مجوسی سازش کا نتیجہ قرار دے کر اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اور افرادِ بنی ہاشم کو ملوث کرے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر بلوائیوں کو اکسانے اور ان کی قیادت کرنے کا الزام حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر عائد کرے

اور حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ان حضرات کے صاحبزادگان حضرات حسنین، حضرت محمد بن طلحہ، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ذمہ دار ٹھہرائے[1] اس سے اس کے سوا اور کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ خود "شہداء کربلا" کو حضرت حسین اور ان کے اہلِ بیت کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا قاتل بتلائے ایسا شخص جتنا بھی جھوٹ بولے کم ہے! افسوس ان سادہ لوح حضرات پر ہے جو اس مجلس کے جلسوں کی صدارت کرتے ہیں، اس کے کتابچوں پر تقریظیں لکھتے ہیں، ان کی مالی امداد کرکے اس کے ان کتابچوں کو جو جھوٹ کی پوٹ ہیں چھپواتے ہیں اور پھر ان کو خرید کر بانٹتے اور تقسیم کرتے ہیں۔

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ   وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

(اگر تم جانتے نہیں تو یہ مصیبت ہے اور جو جانتے ہوئے (ایسا کرتے ہو) تو پھر بہت ہی بڑی مصیبت ہے۔)

"داستان گو" صاحب کو اتنا بھی یاد نہ رہا کہ میں پہلے یہ لکھ آیا ہوں کہ

> "بہر حال عمر بن سعد اور شمر نے خاندانِ علی کی نعشوں کو اکٹھا کیا، ان کی نماز جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا۔ ۔۔۔
>
> خاندانِ علی کے بچے کھچے افراد و خواتین کو کوفہ لا کر آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔
>
> کوفہ میں بعض شیعان علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات کی اپنی ہمدردیاں جتائیں، انھیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا

---

[1] "داستان گو" کی اس افتراء پردازی کی تفصیل معلوم کرنا ہو تو رسالہ "اکابر صحابہ پر بہتان" ملاحظہ فرمائیں۔

کہ مکہ چلے جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے جنہیں زخمی کر کے کوفی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ گئے تھے اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کی سرپرستی و دیکھ بھال میں علاج کرا رہے تھے۔ فرمایا

"میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے ہی میرے پدر بزرگوار کو خطوط لکھ کر اور فریب دے کر بلایا اور ان سے جنگ کر کے انھیں مار دیا، اے غدارو! اے مکارو! میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے قول و قرار پہ اعتبار نہیں کروں گا، میرے باپ اور میرے اہل خانہ ابھی کل تمہارے مکر سے قتل ہوئے ہیں میں اسے نہیں بھول سکتا ہوں۔" (شیعہ کتاب، جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵)

یہی جواب سیدہ زینب نے دیا، آپ نے یہاں تک کہا کہ تم ہمارے پاس گریہ و ماتم کرتے ہوئے آئے ہو حالانکہ تم نے ہی ہمیں قتل کرایا ہے، جاؤ یہ عار کا دھبہ اب رونے سے زائل نہیں ہو سکتا۔ (شیعہ کتاب، جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵)

"فاطمہ بنت حسین نے بھی یہی زجر و توبیخ کی" (داستان کربلا ص ۱۲۳ تا ۱۲۴)

"داستان گو" صاحب اپنی بنائی ہوئی داستان پر غور کر کے ذرا یہ بتائیں کہ حضرت زین العابدین، حضرت زینب اور حضرت فاطمہ بنت حسین رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس کوفہ میں جو بعض شیعانِ علی خفیہ طور سے ملاقات کے لیے آئے، اپنی ہمدردیاں جتائیں اور انھیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مکہ چلے جائیں" اور جن کے غلط مشورے اور ہمدردیاں جتانے سے ان تینوں حضرات نے برہم ہو کر ان سے یہ گفتگو کی جو "داستان گو"

صاحب نے "جلاء العیون" کے حوالہ سے نقل کی ہے، کیا یہ وہی مردے تھے جو دوبارہ زندہ ہو کر ان حضرات کے پاس آ گئے تھے جن کو بقول ان کے ابھی کل شام گھیر گھار کر اور پکڑ پکڑ کر عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن اور ان کے لشکریوں نے قتل کر ڈالا تھا اور ان کے دستہ کے بعض سواروں نے ان کی لاشوں کو پامال بھی کیا تھا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں یعنی وہی ساٹھ کوفی "شہداء کربلا" (رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ جن کو داستان گو صاحب حضرت حسین اور ان کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتاتے ہیں یا یہ وہ لوگ تھے جو عبیداللہ بن زیاد کے دباؤ میں آکر عمر بن سعد کی کمان میں اور شمر کی معیت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے جانثاروں سے لڑنے آئے تھے اور جو واقعی حضرات "شہداء کربلا" کے اصل قاتل تھے اور اس لیے بجا طور پر زجر و توبیخ کے مستحق اور لعن طعن کے قابل تھے، اس لیے ان کو جتنی بھی سرزنش کی جاتی کم تھی۔

اب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس تقریر کے اصل الفاظ بھی پڑھ لیجئے جس کو احمد حسین کمال نے مورخ طبری کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس پر غور کیجئے کہ یہ صاحب زیب داستان کے لیے صورت واقعہ کو مسخ کرنے میں کیسا کمال دکھاتے ہیں۔ تاریخ طبری کی عبارت درج ذیل ہے

لما قتل الحسين عليه السلام	جب حضرت حسین علیہ السلام قتل کر دیے گئے
قام ابن الزبير في اهل مكة	تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اہل
وعظم مقتله وعاب اهل	مکہ کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی اور ان کے
الكوفة خاصة ولام اهل العراق	قتل کو بہت بڑا سانحہ قرار دیا، اہل کوفہ کا خصوصیت
عامة، فقال بعد ان حمد الله و	کے ساتھ عیب بتایا اور عمومی طور پر اہل عراق
اثنى عليه وصلى على محمد صلى	کو ملامت کی، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد
الله عليه وسلم ان اهل العراق	و ثنا کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود

عُدَدٌ فُجَرٌ الا قليلا و ان اهل الكوفة شرار اهل العراق وانهم دعوا حسيناً لينصروه و يولوه عليهم ، فلما قدم عليه ثاروا اليه ، فقالوا لهٗ اما ان تضع يدك فى ايدينا فنبعث بك الى ابن زياد بن سمية سلماً فيمضى فيك حكمه واما ان تحارب ، فرأى والله انهٗ هو و اصحابه قليلٌ فى كثير ، و ان كان الله عزوجل لم يطلع على الغيب احداً انهٗ مقتول ، ولكنه اختار الميتة الكريمة على الحياة الذميمة فرحم الله حسيناً و اخزى ، قاتل الحسين ، لعمرى لقد كان من خلافهم اياه و عصيانهم ما كان فى مثله واعظ و ناه عنهم و لكنه ما حم نازل و اذا اراد الله امراً لن يدفع افبعد الحسين

بھیجنے کے بعد فرمایا کہ اہلِ عراق میں قلیل تعداد کو مستثنیٰ کر کے اکثر غدار اور بدکار ہیں اور کوفہ والے تو اہلِ عراق کے بدترین لوگ ہیں، انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے بلایا تھا کہ ان کی مدد کریں گے اور ان کو اپنا والی بنائیں گے، پھر جب وہ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے مطالبہ کرنے لگے کہ یا تو آپ اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں پکڑا دیں تاکہ ہم آپ کو گرفتار کر کے بخیریت ابن زیاد بن سمیہ کے پاس پہنچا دیں اور وہ اپنا حکم آپ پر چلائے ورنہ آپ جنگ کے لیے تیار رہیں، سو سیدنا حسین نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ان کی کثیر تعداد کے مقابلہ میں آپ کی اور آپ کے اصحاب کی تعداد قلیل ہے اور گو اللہ عزوجل نے کسی کو غیب کی خبر نہ دی کہ وہ ضرور قتل ہو کر رہے گا، تاہم آپ نے عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی، اللہ تعالیٰ حسین پر رحمت نازل فرمائے اور ان کے قاتل کو رسوا کرے بجا ہی ہے ان لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسے شخص کی جس طرح سے مخالفت اور نافرمانی کی وہ ان کے طرزِ عمل سے نصیحت پکڑنے

نطمئن الى هؤلاء القوم و نصدق قولهم و نقبل لهم عهداً! لا و لا نراهم لذالك اهلا اما والله لقد قتلوه، طويلاً بالليل قيامه كثيراً فى النهار صيامه احق بما هم فيه منهم و اولى به فى الدين و الفضل، اما والله ما كان يبدل بالقرآن الغناء، ولا بالبكاء من خشية الله الحداء، ولا بالصيام شرب الحرام، و لا بالمجالس فى حلق الذكر الركض فى تطلاب الصيد يعرض بيزيد فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيّاً۔

(تاریخ الطبری ج۔
ص ۴، ۴۰۵، ۴)

اور ان سے روکنے کے لیے کافی تھا لیکن جو تقدیر میں ہوتا ہے پورا ہو کر رہتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی معاملہ کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کو ہرگز ٹالا نہیں جا سکتا، سو کیا اب حسین کے بعد بھی اس حکمران قوم پر اطمینان کریں ان کے قول کی تصدیق کریں اور ان کے عہد کو قبول کریں نہیں نہیں ہم ان کو اس کا اہل نہیں سمجھتے، خدا کی قسم انھوں نے اس حسین کو قتل کیا جو رات کو دیر تک نمازوں میں کھڑے رہتے اور دن میں کثرت سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو ملا ہے وہ اس کے ان سے زیادہ حقدار اور دین اور فضل کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے، بخدا وہ تلاوت قرآن کی بجائے گانے بجانے اور خوف الٰہی سے رونے کی بجائے لغو اور سرود کا شغل نہیں رکھتے تھے، نہ روزوں کی بجائے شراب خواری میں مصروف رہتے تھے، نہ ذکر الٰہی کی مجالس کو چھوڑ کر شکار کی جستجو میں گھوڑے کو ایڑ لگایا کرتے تھے، یہ سب باتیں یزید پر طنز تھیں، سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے۔"

اس تقریر کو پھر پڑھیے، یہ یزید اور اس کی کوئی فوج کا بیان ہو رہا ہے، یا حضرت

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی "شہداء کربلا" کا، یہ شغل مے نوشی، یہ سیر و شکار کی معروفیت، یہ نغمہ و سرود کے مشغلے کس کے کردار پر طنز ہیں، کیا یزید کے کردار پر نہیں؟ جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر سن کر عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنایا اور پھر ابن زیاد نے کوفیوں کو ترغیب و ترہیب سے حضرت ممدوح سے غداری پر آمادہ کیا اور عمر بن سعد کو سالارِ لشکر بنا کر آپ کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ اسی حکومت اور اس کے کارندوں کے بارے میں حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں پر ہم کیونکر اطمینان کریں اور ان کی باتوں کو ہم کس طرح سچ جانیں اور ان کے عہد و پیمان پر کس طرح اعتماد ہو کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی شخصیت کو تو شہید کر دیا اور یزید جیسے بدکردار کے تابع فرمان ہیں، کیا اس تقریر میں قتل حسین کی ذمہ داری یزید پر نہیں ڈالی گئی؟ مگر "داستان گو" صاحب داستان سرائی میں معروف اور افسانہ نویسی میں گم ہیں۔

یزید کی براءت کے سلسلے میں داستان سرائی

(۶) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سانحہ شہادت پر یزید اور یزیدی حکومت کے خلاف آپ کے یوم شہادت سے لے کر آج تک جو احتجاج ہوا اس سے پوری اسلامی دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے مگر "داستان گو" صاحب ابھی تک اس سے انجان بنے یہی تحریر فرماتے ہیں

> "اس وقت کی پوری اسلامی دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے بھی خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؓ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی" (داستان کربلا ص ۲۵)

حالانکہ خود بدولت ہی اپنے پہلے کتابچہ "حضرت عثمان کی شہادت کیوں اور کیسے؟"

میں یہ تحریر فرما چکے ہیں کہ

"حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی دینی، سیاسی اور تاریخی عظمت بجا اور ان کے عظیم ترین کارنامے و فتوحات تسلیم، لیکن حضرت عثمانؓ نے خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کی شہادت کے جس سازشانہ پس منظر میں خلافت کا جبہ سنبھالا تھا اور اندرونی طور پر حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبید اللہ کے قتل کرنے کے اندرونی دباؤ اور مطالبہ سے دوچار ہونا پڑتا تھا جس کے مان لینے سے امت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو سکتی تھی، جیسا کہ واقعۂ قتل حسینؓ کے بعد ہو گئی" (ص ۳۰)

تعجب ہے کہ یہ مان لینے کے بعد بھی کہ

"واقعۂ قتل حسین کے بعد امتِ مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو گئی"

داستانِ کربلا لکھنے بیٹھے تو سب کچھ فراموش کر کے بالکل انجان بن گئے سچ ہے

دروغ گو را حافظہ نباشد

اب ذرا کمال صاحب اپنے حافظہ پر زور ڈال کر سوچیں کہ امتِ یزید اور اس کے بداعمال عمالِ حکومت کے خلاف ہو گئی ہے یا ان ساٹھ کوفی "شہداء کربلا" کے کہ جو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی رفاقت میں درجۂ شہادت پر فائز ہو کر داخلِ جنت ہوئے۔

خاندانِ حسینی کے وظائف مقرر کرنے کا افسانہ

(۷) اور "داستان گو" صاحب نے جو یہ بات بڑے مزے لے لے کر بیان کی ہے کہ

"خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہؓ کے طریقے کے مطابق حضرت حسینؓ کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افراد

خاندان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیے اور یہ حضرات بنہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے“

(”داستانِ کربلا“ ص ۱۲)

اگر یہ بات صحیح ہے تو ”داستان گو“ صاحب ذرا بتائیں کہ یہ بیش بہا وظیفہ یزید نے اپنی ذاتی اور خاندانی جاگیر سے مقرر کیے تھے یا حکومت کے بیت المال سے، اگر بیت المال سے مقرر کیے تھے تو حضرت زین العابدین اور دوسرے افرادِ خاندان ان بیش بہا وظیفوں کے مستحق بھی تھے یا نہیں، اگر مستحق تھے تو پہلے سے کیوں مقرر نہیں کیے اور اگر غیر مستحق تھے تو یزید کو مسلمانوں کے بیت المال میں بے جا تصرف کرنے کا کیا حق حاصل تھا جو اس نے اپنی طرف سے ان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیے اور یہ حضرات کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔

یزید کی جانشینی کی نرالی توجیہہ

(۸) ”داستان گو“ صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بارے میں یہ داستان گزشتہ کے بعد اس کے پس منظر میں واقعات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ

”حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی تنازع نہ اٹھ کھڑا ہو اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہلِ مدینہ سے مشورہ و استصواب رائے کر کے اپنے بیٹے یزید کے لیے جانشینی کی بیعتِ عام لے لی۔

چونکہ مملکتِ اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ بلادِ عجم پر مشتمل تھا اور اہلِ عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا کوئی فرد ہو نیز بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعوی نے

نئے خلیفہ کے شورۂ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دیئے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنا دیا تھا، اس لیے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسول و ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شورہ اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کر کے امیر یزید کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی

اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلانِ عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؓ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آکر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے حضرت معاویہؓ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتِ حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسین نے جواب میں لکھا کہ

"میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے درپے ہوں"

(اخبار الطوال)

سن ۶۰ھ میں حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی، آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت حسین کو بلایا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ

"مجمع عام میں بیعت کی جائے، وہیں میں بھی بیعت کر لوں گا۔"

(طبری۔ اخبار الطوال)

لیکن دوسرے دن آپ مکہ کے لیے روانہ ہو گئے، آپ کے ہمراہ آپ کی ہمشیرگان ام کلثوم، زینب، آپ کے برادران ابوبکر، جعفر اور عباس اور آپ کے برادر زادگان یعنی فرزندانِ حضرت حسن بھی تھے، البتہ آپ کے

ایک بھائی محمد بن حنفیہ اور بہت سے اہلِ خاندان ساتھ نہیں گئے۔ مدینہ کے گورنر اور حکام نے کوئی تعرض نہیں کیا اور حضرت حسین کو ان کے اہل خانہ کے ساتھ مکہ چلے جانے دیا۔ راستہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ جواب دیا مکہ جا رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ کہیں کوفہ کے شیعانِ علی کے پاس تو نہیں جا رہے ہو؟ ان لوگوں نے آپ کے والد اور آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اُسے یاد رکھیے اور ان کے فریب میں نہ آئیے گا۔

(اخبار الطوال)

کوفہ کے شیعانِ علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کے بغیر مدینہ سے مکہ آ گئے ہیں تو انہوں نے سلیمان بن صرد کے گھر بیٹھ کر مشورہ کیا اور عبداللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسین کو بھیجا کہ

"آپ کوفہ آئیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو جو انصاری ہے نکال دیں گے"

حضرت حسین کے پاس جب یہ دونوں قاصد پہنچے اور شام کو مزید دو قاصد پچاس پچاس خطوط جن پر دو دو چار چار اشخاص کے دستخط تھے لے کر پہنچ گئے مضمون ایک ہی تھا کہ کوفہ تشریف لائیے اور بیعت لیجئے۔ غرضیکہ ہر روز صبح و شام کوفہ سے آنے والے قاصدوں کا تانتا بندھ گیا۔ حضرت حسین نے ان تمام خطوط کو بحفاظت رکھا اور اپنے بھائی مسلم بن عقیل کے ذریعہ ایک خط اہل کوفہ کے نام جواب میں بھیجا کہ ان آمدہ خطوط کی تصدیق ہو جائے۔

(اخبار الطوال)

بعد کے واقعات اور انجام آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں داستانِ کربلا ص ۲ تا ۴)

"داستان گو" صاحب کو ایک ہی سانس میں متضاد باتیں کرنے میں ذرا باک نہیں چنانچہ جہاں وہ یہ فرما رہے ہیں کہ

"بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعوی نے نئے خلیفہ کے مشورۂ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دیئے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنا دیا تھا (ص ۲۱)

اسی کے ساتھ بلا توقف یہ بھی ارشاد ہو رہا ہے کہ

"اس لیے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسول و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کر کے امیر یزید کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی" (ص ۲۱)

نیز یہ کہ حضرت معاویہ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہلِ مدینہ سے مشورہ و استصواب رائے کر کے اپنے بیٹے یزید کیلئے جانشینی کی بیعت عام لے لی"

(ص ۲۰ و ۲۱)

ناظرین! جائے غور ہے جب بقول ان کے "نئے خلیفہ کے مشورہ عام سے منتخب ہونے کے امکانات ہی معدوم تھے" تو یہ "ان ہونی" کیسے ہوئی اور یزید کے بارے میں استصواب عام کیوں کر ممکن ہوا؟ ایسی صورت میں اصحاب رسول و ازواج رسول (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کی آخر کیا صورت ہوئی؟ اور اگر استصواب عام ممکن تھا جیسا کہ بقول "داستان گو" کے یزید کی ولیعہدی کے سلسلہ میں ہوا بھی بلکہ یزید کے مرجانے پر بھی اس کے بیٹے معاویہ نے خلافت کا مسئلہ استصواب ہی پر رکھا، چنانچہ خود "داستان گو" کا بیان ہے کہ

"خلیفہ یزید کے بعد ان کے صاحبزادہ معاویہ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کرنا چاہی، معاویہ نے مجلس شوریٰ سے کہا کہ وہ خود کو اس منصب کے لیے اہل نہیں پاتے، اس لیے مسلمان باہم مشورہ سے کوئی بہتر شخص منتخب کرلیں

(ص ۲۰۶)

تو پھر یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کی بجائے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر بھی یہی طریق کار اپنایا جاتا تو آخر اس میں کیا قباحت تھی کہ امت مشورۂ عام سے جس شخص کو چاہتی خلافت کے لیے منتخب کرلیتی آپ خود ہی سوچیں کہ معاویہ ثانی رحمہ اللہ تعالےٰ کا یہ طرزِ عمل لائق ستائش ہے یا یزید کی بے وقت کی ولیعہدی کی بیعت جس کی توجیہ میں "داستان گو" صاحب سرگرداں ہیں مگر کوئی بات بنائے نہیں بنتی (۹) چنانچہ کتاب وسنت سے یزید کی ولیعہدی کا کوئی معقول جواز پیش کرنے کی بجائے "داستان گو" صاحب اس سلسلہ میں اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے کہ

"چونکہ مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلا دعجم پر مشتمل تھا اور اہل عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا فرد ہو ۔۔۔ اسلیئے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا" (ص ۲۱)

واقعی یزید کی ولی عہدی کی جناب نے بہت ہی عمدہ وجہ بیان کی

ع پہلی پھڑک اٹھی نگہ انتخاب کی۔

جناب کی تصریح سے واضح ہو گیا کہ "اہل عجم" کی اطاعت کی خاطر یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ کھڑا ہوا اور اس بارے میں "اہل عجم" کا اتنا پاس و لحاظ کیا گیا کہ امور سلطنت میں بھی بالکل انہی کا طریقہ اپنایا گیا۔

تعجب ہے کہ آپ کے ممدوح یزید کی ولی عہدی کے بارے میں تو اہلِ عجم کا اتنا خیال رکھا جائے، مگر "مجلس حضرت عثمان غنی" ان ہی "اہلِ عجم" کے اتنے خلاف ہو کر ان کے کفر و زندقہ و نفاق کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے اس کا قیام عمل میں آئے چنانچہ "داستانِ کربلا" کے آخر میں مجلس کے تعارف اور پروگرام کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ یہ ہے کہ

"چونکہ اولین اہلِ قلم عموماً انہیں عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں جن کی شوکت و حکومت اور چودھراہٹ مخالفتِ اسلام کے سبب ان ہی مقدس صحابہ کرام کے ایمان عزم و ہمت اور فولادی ہاتھوں پیوند خاک ہوئیں بناء بریں انھوں نے اپنے کفر و زندقہ اور جذبۂ انتقام کو نفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر صدرِ اول کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہ اور محسنین امت کے حسین کردار اور حقیقی خد و خال پر مفتریات و مکذوبات کی گہری تہیں بیٹھ گئیں، جنہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا حاصل زندگی منظورِ نظر اور اسلام کی ریڑھ کی ہڈی کہنا چاہیے۔" الخ، (ص ۳۰، ۳۱۰)

اب خود ہی سوچ لیجیے کہ کیا انہی اولین اہلِ عجم کی خوشنودی کے لیے "یزید" کی ولی عہدی کی بیعت لی گئی تھی؟ اور کیا ان ہی کی اطاعت کی خاطر ان کے رسم و رواج کو اپنایا گیا تھا، خوب جناب نے یزید کی ولی عہدی کی تحقیق کا حق ادا کیا۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

(۱۰)۔ یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ پہلے "داستان گو" صاحب اس بات پر طنز کر چکے ہیں کہ

"حضرت علی کی وفات اور تدفین کے بعد لوگ حضرت حسن کے پاس مسجد میں جمع ہو گئے اور ان کی بیعت کی" (داستانِ کربلا ص ۱۷)

چنانچہ ان کے الفاظ ہیں کہ

> "حضرت علیؓ کے بعد ان شیعان نے حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن کو ان کا جانشین خلیفہ بنا کر باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم قائم کی"
>
> (داستانِ کربلا ص ۱۵)

غور فرمایئے! یزید کی ولی عہدی کے لیئے تو توجیہیں گڑھی جاتی ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولی عہدی پر طنز کیا جاتا ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اگر حضرات صحابہ و تابعین برضا و رغبت بیعت کر لیں اور تمام اہل السنت والجماعت بلا اختلاف ان کو خلیفہ راشد مان لیں، تو یہ بات قابلِ نکیر ہے کہ باپ کے بعد" بیٹے کی ولیعہدی کی رسم" قائم ہوتی ہے، لیکن اگر یزید کو اپنے باپ کی ہی زندگی میں ولیعہد بنا دیا جائے تو لائق تحسین ہے، قرینِ مصلحت ہے، کیونکہ "مجلس عثمان غنی" کے شیعان اموی کی نظر میں ایسی صورت میں باپ کے بعد" بیٹے کی ولیعہدی کی رسم" یا تو سرے سے وقوع پذیر ہی نہیں ہوتی یا پھر عین صواب ہے پھر یہ کہنا بھی غلط کہ "ولی عہدی کی رسم قائم کی"

ولیعہد اور خلیفہ میں جو فرق ہے سب کو معلوم ہے "داستان گو" صاحب کو علم نہ ہو تو اور بات ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی کا "ولیعہد" نہیں بنایا گیا تھا بلکہ حضرت ممدوح سے حاضرین نے بیعتِ خلافت کی تھی اور باتفاق اہل سنت وجماعت جب تک کہ آپ نے جبۂ حکومت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض نہیں کیا آپ کا شمار خلفاء راشدین میں ہے آپ کا زمانہ ولیعہدی تو اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے زمام حکومت سونپی اور اس وقت آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ولی عہد نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ولی عہد تھے، یزید کی ولیعہدی کا مسئلہ حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات کے بعد اٹھا ہے، اب ہم پوچھنا چاہتے

ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات اور یزید کی ولیعہدی کی بیعت کے دوران جتنا عرصہ گزرا اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ حکومت میں آخر جو عجم میں وہ کونسی فتوحات ہوئیں جن کی بناء پر مملکتِ اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل ہو گیا"! جو اس سے پہلے نہ تھا۔ نیز اگر یہ بات صحیح ہے کہ "اہلِ عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو، اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا فرد ہو" تو اس میں یزید بن معاویہ ہی کی کیا خصوصیت تھی؟ کیا خلفاء راشدین حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولاد امجاد حکمرانوں کی اولاد نہ تھی؟ کیا تاریخ اسلام میں بس پہلے حکمران حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہوئے ہیں؟ مزید یہ کہ "داستان گو" صاحب تو یزید کے بعد مروان ہی کو خلیفہ مانتے ہیں کیا مروان کے والد بزرگوار حکم بھی کبھی کسی زمانہ میں عالمِ اسلام کے حکمران رہے تھے؟ عوام کو اس طرح گمراہ کرنے سے فائدہ!

بنی ہاشم پر افتراء

(۱۱) اور جناب نے بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف جو خلافت کے استحقاق کے ادعاء کا دعویٰ منسوب کیا ہے، اس کا تاریخی ثبوت کیا ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمرانی سے پہلے بنی ہاشم میں دو خلیفہ ہوئے ہیں، ایک حضرت علی دوسرے ان کے صاحبزادے حضرت حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور دونوں کا انتخاب خلافت کے لیے ارباب حل وعقد نے کیا تھا۔ ان میں سے خود کسی نے بھی استحقاق خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور دونوں اہلِ سنت کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں، ان دونوں کے علاوہ یزید کی ولیعہدی کے زمانہ تک بنو ہاشم میں سے کسی نے بھی استحقاقِ خلافت کا دعویٰ کیا ہو تو ذرا اس کا نام تو بتا دیجیے! خلفاء راشدین کے بارے میں غلط بیانی سے کوئی فائدہ! نیز بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ "بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق

کا دعویٰ کیا گیا .. تو اس سے کونسی قیامت ٹوٹ پڑی، خلافت کا حق قریش کے لیئے نص سے ثابت ہے کیا بنی ہاشم جو خاندانِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں قریش سے خارج ہیں؟ کیا خلافت قریش کے تمام خاندانوں میں صرف بنی امیہ ہی کے لیے الاٹ کر دی گئی تھی، اور بنی امیہ میں بھی صرف بنو حرب کے لیے جو یزید کی ولی عہدی ضروری ٹھہری؟ ویسے بھی بنو ہاشم کے بارے میں تو جناب کی معلومات قابلِ داد ہیں کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی "شہادت عثمان غنی کیوں اور کیسے" میں نوجوانانِ بنی ہاشم میں شمار کیا ہے (ص ۳۲) حالانکہ وہ قطعاً ہاشمی نہیں۔ بلکہ قریشی اسدی ہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ روافض خلافت کو بنی فاطمہ کا حق سمجھتے ہیں اور ان کے مقابل بعض نواصب بنی امیہ کا، چنانچہ علامہ ابن حزم نے "الفصل" میں لکھا ہے، کہ ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اردن میں ایک شخص نے جو اس امر کا قائل تھا کہ منصب خلافت پر فائز ہونا امیہ کے علاوہ اور کسی کے لیے روا نہیں اس موضوع پر ایک مستقل تالیف بھی مدون کی ہے۔ (ج ۴ ص ۹۰)

حضرت حسین کے بارے میں افسانہ تراشی (۱۲)

اور "داستان گو" نے جو یہ لکھا ہے کہ

> "اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلانِ عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ آ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے، حضرت معاویہ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتِ حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسین نے جواب میں لکھا کہ میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے درپے ہوں"

(اخبار الطوال) (داستانِ کربلا ص ۲۱، ۲۲)

سو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تو ان کو یہ افسانہ تراشنا ہی چاہیے کہ قاتلانِ عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا کیونکہ وہ نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ان کے برادرِ بزرگوار حضرت حسن اور ان دونوں کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں ملوث کرنا چاہتے ہیں، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ خود یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ :-

"حضرت حسن فوت ہو چکے تھے" اور ان کی وفات ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں ہوئی ہے اور اسی "داستانِ کربلا" میں ان کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ :-

> "امرِ خلافت جو حضرت عثمان کی شہادت کے بعد ۳۵ھ کے آخر سے معطل[1] ہو گیا تھا اور مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے تھے، حضرت حسن کے اس اقدام سے (کہ انھوں نے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی) ۴۱ھ کے شروع میں ۵ سال بعد پھر بحال ہو گیا اور امت ایک ہی خلیفہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں متحد ہو گئی" (ص ۱۹)

غرض ۴۱ھ سے لے کر ۴۹ھ یا ۵۰ھ تک پورے نو، دس برس حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام قلمروِ اسلامی کے بلا شرکتِ غیرے مطلق فرمانروا تھے اور اس لیے "داستان گو" ہی کے قول کے مطابق اس وقت

---

[1] کیونکہ شیعانِ مروان "مجلس عثمان غنی" نہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں نہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سے ان کے عقیدہ کے مطابق امرِ خلافت معطل رہا۔

"حضرت معاویہ قاتلینِ عثمان ...... اور فتنہ بازوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کیفرِ کردار تک پہنچانے لگے"

(ص ۲۰)

پھر یہ "قاتلینِ عثمان" حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفت سے کیونکر بچ گئے شاید وہ یہ جواب دیں کہ

"حضرت معاویہ کے ڈر سے قاتلوں کے بہت سے ساتھی روپوش ہوگئے"

("داستانِ کربلا" ص ۲۰)

تو پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ باقی رہے گا کہ خود ان کے ہی لکھنے کے مطابق "کوفہ میں رہنے والے" قاتلانِ عثمان" کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت معاویہ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتِ حال پر متنبہ کیا الخ"

آخر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس معاملہ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو کیوں متنبہ کیا؟ جب ان کو ان باتوں کا پتہ چل گیا تھا تو پھر ان "قاتلینِ عثمان" کو کیوں کیفرِ کردار تک نہ پہنچایا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بنسری۔ "داستان گو" صاحب جھوٹ سے بات کہیں بنا کرتی ہے! معاملہ اور الجھ جاتا ہے!

غلط حوالہ دینے کی تو "داستان گو" صاحب سے شکایت ہی کیا، وہ تو ان کی پرانی عادت ہی ہے طبری کے حوالوں کی تنقیح ناظرین کی نظر سے گذر چکی ہے کہ "داستان گو" صاحب نے کس طرح سچ میں جھوٹ ملا کر صورتِ واقعہ کو مسخ کیا ہے، یہاں بھی وہی کارروائی فرمائی اور ان اشرافِ کوفہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور جلیل القدر صحابی حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو حجر بن الادبر، حجر الخیر کے نام سے معروف ہیں) کے قتل کیے جانے کی خبر لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تھے، "قاتلانِ عثمان" کی تہمت لگا دی ہے، حضرت حجر بن عدی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ان اشرافِ کوفہ کا قتلِ عثمان سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں، یہ سب "داستان گو" صاحب کی بنائی ہوئی بات ہے، اہلِ علم "الاخبار الطوال" سے جس کا "داستان گو" صاحب نے حوالہ دیا ہے مراجعت کرکے دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت حسین کو مطعون کرنا

(۱۴) اور بیعتِ یزید کے سلسلہ میں جو "داستان گو" صاحب کا یہ بیان ہے کہ

> "سنہ ۶۰ھ میں حضرت معاویہؓ کی وفات ہوگئی، آپکے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت حسینؓ کو بلایا گیا تو آپنے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ "مجمع عام میں بیعت لی جائے میں بھی وہیں بیعت کرلوں گا۔" (طبری - اخبار الطوال)
>
> "لیکن دوسرے دن آپ مکہ کے لیے روانہ ہوگئے۔" (ص ۲۲)

اس کا مقصد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلط گوئی اور وعدہ خلافی سے متہم کرنا ہے۔ "تاریخ طبری" اور "الاخبار الطوال" میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گورنر مدینہ سے یہ کہا ہو کہ "میں بیعت کرلوں گا" یہ بات "داستان گو" صاحب نے اپنے جی سے بنائی ہے، واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب یزید تختِ حکومت پر بیٹھا، تو اس کو سب سے پہلے اس بات کی فکر تھی کہ ان لوگوں سے کس طرح نمٹا جائے، جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی ہی میں یزید کی ولیعہدی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، چنانچہ فوراً ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نام جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا ایک چھوٹے سے پرچہ پر جو بقول مؤرخ طبری "چوہے کے کان" کے برابر تھا (کانہا اذن فارۃ) یہ فرمان لکھ کر بھیجا

اما بعد فخذ حسیناً و عبد اللہ	اما بعد بیعت کے سلسلہ میں، حسین، عبداللہ
بن عمر و عبد اللہ بن الزبیر بالبیعۃ	بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو پوری سختی کے
اخذاً شدیداً لیست فیہ رخصۃ	ساتھ پکڑو اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کرلیں

حتی یبایعوا والسلام۔ (تاریخ الطبری ص۳۳۸ ج۶)

انہیں رخصت نہ ملنے پائے والسلام۔

ولید کو یزید کا یہ حکم ملا تو وہ فتنہ کے خوف سے گھبرا گیا، مروان اور ولید میں ان بن تھی، لیکن معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر اس نے مروان کو مشورہ کے لیے طلب کیا اس شقی نے آتے ہی جو مشورہ دیا وہ سننے کے قابل ہے۔

علیک بالحسین بن علی وعبد اللہ بن الزبیر، فابعث الیھما الساعۃ فان بایعا والا فاضرب اعناقھما قبل ان یعلن الخبر (الاخبار الطوال ۲۲۷)

تم پر لازم ہے کہ اسی وقت حسین بن علی اور عبد اللہ بن زبیر کو بلا لو اگر وہ دونوں بیعت کرلیں تو خیر ورنہ دونوں کی گردنیں ماردو، یہ کام معاویہ کی خبرِ مرگ کے اعلان سے پہلے پہلے ہو جانا چاہیے۔

ولید نے مروان کے مشورہ کے مطابق عبد اللہ بن عمرو بن عثمان کو ان دونوں حضرات کو بلانے کے لیے بھیج دیا، جو اس وقت مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ولید کا پیام پہنچا تو ان حضرات نے عبد اللہ سے فرمایا تم چلو ہم آتے ہیں، وہ چلا گیا تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ ”اس بے وقت کی طلبی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟“ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

---

[1] ابو حنیفہ دینوری کے الفاظ میں فلما ورد ذلک علی الولید قطع بہ وخاف الفتنۃ (الاخبار الطوال ص ۲۲۷) جب ولید کے پاس یہ حکم پہنچا تو وہ گھبرا گیا اور اسے فتنہ کا اندیشہ ہوا۔

[2] یہ بھی واضح رہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ جمل میں مروان کی جاں بخشی کی تھی۔ اس ناسپاس نے اس کا یہ بدلہ دیا۔

"میرا گمان ہے کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا اس لیے بیعت کے لیے ہمیں بلا بھیجا ہے" ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ سن کر کہا " میں بھی یہی سمجھتا ہوں" اس گفتگو کے بعد دونوں، حضرات اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ گھر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے غلاموں اور موالی کو جمع کر کے" دارالامارۃ " کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر ان کو ہدایت کی کہ دروازہ پر ٹھہرے رہو اور اگر اندر سے میری آواز سنو تو "دارالامارۃ" میں گھس جانا یہ فرما کر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اندر تشریف لائے۔ ولید نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی موت کی خبر سنا کر یزید کا فرمان دکھایا اور اس کی بیعت کے لیے کہا، اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تعزیت کے بعد فرمایا کہ

أما ما سألتني من البيعة فان	بیعت کے بارے میں جو تم نے مجھ سے کہا
مثلي لا يعطي بيعتهٗ سراً	ہے تو مجھ جیسا آدمی خفیہ بیعت نہیں کیا کرتا
ولا اراک تجزی بها مني	اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی میری خفیہ بیعت کو
سراً دون ان تظهرها على	کافی نہیں سمجھتے جب تک کہ تم برملا لوگوں
رؤس الناس علانية۔	کے سامنے اس کا اظہار نہ کرو۔

ولید نے کہا اجل (ہاں ہاں)۔ اس پر آپ نے اس سے فرمایا۔

فاذا خرجت الی الناس ودعوتهم الی	جب تم لوگوں کے سامنے نکل کر ان کو
البيعة دعوتنا مع الناس فكان امراً	بیعت کی دعوت دو تو ہمیں بھی سب کے
واحداً (تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۳۹، ۳۴۰)	ساتھ ہی بلا لینا، تاکہ معاملہ یکساں رہے۔

اس عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جس کا ترجمہ یہ ہو کہ "میں بیعت کر لوں گا" بلکہ آپ معاملہ کو لوگوں کے اجتماع پر ٹالنا چاہتے ہیں، پھر ابھی بیعت لینا شروع نہیں ہوا۔ جیسا کہ "داستان گو" صاحب نے لکھا ہے بلکہ آپ کو بے وقت بلوا کر خفیہ طور پر بیعت لینے کے لیے زور ڈالا جا رہا تھا جس سے آپ نے حکمتِ عملی کے ساتھ

پہلو تہی فرمائی، بہرحال حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید کو قائل کیا تو اس نے آپ کو "دارالامارۃ" سے جانے کی اجازت دے دی، اس پر مروان نے پھر ولید سے کہا

واللہ ان فارقک الساعة ولم یبایع لا قدرت منه علی مثلها ابدًا حتی تکثر القتلی بینکم و بینهٗ احبس الرجل، ولا یخرج من عندکَ حتی یبایع او تضرب عنقهٗ۔

(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۴۰)

خدا کی قسم اگر یہ اس وقت بغیر بیعت کیے تیرے پاس سے چلے گئے تو پھر کبھی بھی تو ان سے بیعت لینے پر اس وقت تک قادر نہ ہو سکے گا جب تک کہ تمہارے اور ان کے مابین کثرت سے لوگ قتل نہ ہو جائیں اس شخص کو قید کرا اور جب تک کہ یہ بیعت نہ کرلے یا اس کا سر نہ قلم کر دیا جائے، یہ تیرے پاس سے نکلنے نہ پائے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسے ہی مروان کی زبان سے یہ سنا کود کر اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے باہر نکل آئے کہ

یا ابن الزرقاء انت تقتلنی ام هو؟ کذبت و اللہ و اثمت۔

او زرقاء (مروان کی ماں کا لقب) کے بچے تو مجھے قتل کرے گا یا یہ، خدا کی قسم تو جھوٹ بکتا ہے اور گناہ اپنے سر لیتا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح صحیح سلامت نکل جانے پر مروان بڑا برہم ہوا اور ولید سے کہنے لگا،

عصیتنی، لا واللہ لا یمکنک من مثلها من نفسه ابدًا۔

تو نے میری بات نہ مانی، خدا کی قسم اب وہ کبھی تجھ کو اس بارے میں اپنے اوپر قابو نہیں دیں گے۔

ولید نے مروان سے کہا "مروان یہ زجر و توبیخ کسی اور کو کر تو میرے لیے وہ بات پسند کر رہا ہے جس میں میرے دین کی سراسر بربادی ہے

واللہ ما احب ان لی ما طلعت	خدا کی قسم حسین رض کے قتل کے عوض اگر مجھ کو مشرق
علیہ الشمس و غربت عنہ من	و مغرب میں تمام دنیا کا مال اور اس کی سلطنت
مال الدنیا و ملکھا، وانی قتلت	بھی ملے تو پسند نہیں، سبحان اللہ! کیا میں
حسیناً، سبحان اللہ! اقتل حسیناً	حسین کو صرف اس لیے قتل کر ڈالوں کہ وہ
ان قال لا ابایع! واللہ انی لا ظن	کہتے ہیں "میں بیعت نہیں کرتا" بخدا مجھے
امرأً یحاسب بدم الحسین لخفیف	یقین ہے کہ جس شخص سے قیامت کے دن
المیزان عند اللہ یوم القیامۃ	اللہ تعالیٰ کے حضور میں حسین کے خون کا حساب
("تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۴۰)	لیا جائے گا، میزان میں اس کا پلہ ہلکا ہوگا۔

اس پر مروان جلا کر بولا، اچھا تمہاری یہی رائے ہے تو پھر تم نے ٹھیک کیا۔ یہ ہے اس واقعہ کی تفصیل جو تاریخ طبری سے نقل کی گئی۔ "الاخبار الطوال" اور "تاریخ طبری" دونوں کا مضمون واحد ہے، فرق ہے تو بس اجمال و تفصیل کا۔ مورخ دینوری نے بیان واقعہ میں اجمال سے کام لیا ہے اور مورخ طبری نے تفصیل سے، مگر "داستان گو" صاحب کو پوری داستان میں بس اتنا ہی یاد ہے جو ان کی قلم سے نکلا اور پھر زیب داستان کے لیے دونوں کتابوں کے حوالے سے واقعہ کا وہ الٹا نقشہ کھینچا ہے جس سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذم کا پہلو عیاں ہو کیونکہ انھیں یزید و مروان سے عقیدت ہے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیر۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کو "بیعت ضلالت" سمجھتے تھے اس لیے وہ اس سے کیوں بیعت کرتے چنانچہ امام ابن حزم ظاہری "الفصل فی الملل والاہواء والنحل" میں فرماتے ہیں

رأى انها بيعة ضلالة   حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے میں
(ج-۲ ص ۱۰۵ طبع سنہ ۱۳۲۱ھ)   یزید کی بیعت "بیعت ضلالت" تھی۔

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

انما انكر من انكر من الصحابة رضى   صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم میں سے
الله عنهم ومن التابعين بيعة يزيد بن   جن حضرات نے بھی یزید بن معاویہ، ولید،
معاوية والوليد وسليمان لانهم كانوا   سلیمان کی بیعت سے انکار کیا وہ اس
غير مرضيين (ج-۲ ص ۱۶۹)   لیے کیا کہ یہ اچھے لوگ نہ تھے۔

"داستان گو" صاحب نے مؤرخ طبری کے حوالے سے جو کچھ نقل کیا ہے اس کی تنقیح کے سلسلہ میں یزید کے برے کردار پر روشنی ڈالی جا چکی ہے، اس پر دوبارہ نظر ڈال لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کے بارے میں کیا اظہار خیال فرمایا ہے،

حافظ ابن حزم اندلسی نے بھی اپنی مشہور کتاب "جمہرۃ انساب العرب" میں یزید کے کردار پر نہایت مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے، جو ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے درج ذیل ہے فرماتے ہیں۔

ويزيد امير المؤمنين وكان قبيح   اور یزید امیر المومنین جس کے اسلام میں برے

لہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں یزید کو اعیان ضلال ہی میں شمار کیا ہے چنانچہ ان کے الفاظ ہیں ودعاة الضلال يزيد بالشام ومختار بالعراق (ج-۲ ص ۲۱۳) اور کتاب کے آخر میں فرماتے ہیں ومن القرون الفاضلة اتفاقا من هو منافق او فاسق ومنها الحجاج ويزيد بن معاوية ومختار (اور قرون فاضلہ میں بھی باجماع ایسے افراد ہو گزرے ہیں جو منافق یا فاسق تھے جیسے کہ حجاج، یزید بن معاویہ اور مختار تھے)

الآثار، فی الاسلام، قتل اهل المدینة وافاضل الناس وبقیة الصحابة، رضی الله عنهم، یوم الحرة فی آخر دولته، وقتل الحسین رضی الله عنه واهل بیته فی اول دولته وحاصر ابن الزبیر رضی الله عنه فی المسجد الحرام و استخف بحرمة الکعبة والاسلام فاماته الله فی تلك الایام، وقد کان غزا فی ایام ابیه القسطنطنیة وحاصرها (ص ۱۱۲ طبع مصر ۱۳۸۲ھ)

کرتوت یہ ہیں، اس نے اپنی سلطنت کے آخری دور میں حرّہ کے دن اہلِ مدینہ اور ان کے بہترین اشخاص اور بقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کیا، اور اپنے عہدِ حکومت کے اوائل میں حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے اہلِ بیت کو قتل کیا، اور مسجد حرام میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا محاصرہ کر کے کعبہ اور اسلام کی بے حرمتی کی، پھر اللہ تعالٰی نے انہی دنوں اس کو موت کا مزہ چکھایا، اس نے اپنے باپ کے عہد میں قسطنطنیہ کی جنگ میں شرکت کی تھی اور اس کا محاصرہ بھی کیا تھا

واضح رہے کہ "جمہرۃ انساب العرب" "خلافت معاویہ ویزید" میں محمود احمد عباسی کا بڑا اہم ماخذ ہے، عباسی صاحب نے بنو ہاشم و بنو امیہ کی باہمی قرابتوں کو بیان کرتے ہوئے اکثر اسی کتاب کا حوالہ دیا ہے، امام ابن حزم نے صاف تصریح کی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اصل قاتل یزید ہے کہ اسی کے حکم پر، ان کی شہادت عمل میں آئی اس دور کے ناصبی اب یزید کو خونِ حسین سے بری کرنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہے ہیں اور طرح طرح کی افترا پردازی میں مشغول ہیں۔

کتاب کا غلط حوالہ

(۱۴) اور "داستان گو" صاحب نے "الاخبار الطوال" کے حوالے سے جو یہ ارقام فرمایا ہے کہ

" سنہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس ملے پوچھا کہاں جا رہے ہو، جواب دیا، حضرت عبد اللہ بن عباس نے کہا کہ کہیں کوفہ کے شیعان

علی کے پاس تو نہیں جا رہے ہو؟ ان لوگوں نے آپ کے والد اور آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اسے یاد رکھیے اور ان کے فریب میں نہ آئیے گا

(اخبار الطوال)

(داستان کربلا ص ۲۳)

وہ "الاخبار الطوال" میں کہاں ہے؟ تصحیح نقل کرنا چاہیے۔ ہمارے پیش نظر "الاخبار الطوال" کا جدید طبع شدہ نسخہ ہے جو ۱۹۶۰ء میں قاہرہ سے شائع ہوا اور عبد المنعم عامر نے متعدد قدیم نسخوں سے مقابلہ کر کے اس کی تصحیح کی ہے اگر "داستان گو" صاحب کو اپنے دعویٰ کی صحت پر اب بھی اصرار ہو تو اصل عربی عبارت پیش کی جائے۔

صحابی رسولؐ حضرت سلیمان بن صردؓ پر طعن

(۱۵) اور یہ جو "داستان گو" صاحب نے "الاخبار الطوال" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

"کوفہ کے شیعان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ سے مکہ آ گئے ہیں، تو انھوں نے سلیمان بن صرد کے گھر جمع ہو کر مشورہ کیا اور عبد اللہ بن سبیع ہمدانی اور عبد اللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسینؓ کو بھیجا کہ

"آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو جو انصاری ہیں نکال دیں گے"

الخ

("داستان کربلا" ص ۲۳)

تو واضح رہے کہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں لکھتے ہیں۔

وقد كان سليمان بن صرد الخزاعي¹ حضرت سلیمان بن صرد خزاعیؓ رضی اللہ عنہ

۱؎ مطبوعہ نسخہ میں طباعت کی غلطی سے "الخزاعی" کی بجائے "الخزرجی" چھپ گیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

صحابياً جليلاً نبيلاً عابداً زاهداً، روى عن النبي صلى الله عليه وسلم احاديث في الصحيحين وغيرهما وشهد مع علي الصفين۔

(ج۔ ۸ ص ۲۵۵)

جلیل القدر صاحب فضل و کمال عابد و زاہد صحابی تھے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کی ہیں جو صحیحین وغیرہ میں منقول ہیں، صفین کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ موجود تھے۔

ابن زیاد نے کوفہ میں آکر جس طرح دار و گیر شروع کر رکھی تھی اور خوف و دہشت کا سماں پیدا کر کے ہر طرف سے جو ناکہ بندی کر دی تھی اس میں صحیح واقعات کا مخلصین کو بھی بروقت علم نہ ہو سکا جو وہ موقع پر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مدد کو آتے اور نہ اس امر کا پہلے سے اندازہ تھا کہ یہ اشقیاء حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راہ ہی میں روک کر اس بیدردی سے شہید کر ڈالیں گے، جیسے کہ خود اہلِ مدینہ کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس طرح اچانک شہید کر دیے جانے کا خیال بھی نہ تھا، بہرحال کوفہ میں ایسے بہت سے مخلصین تھے جو دل سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہوا خواہ تھے، مگر انھیں بروقت آپ کی مدد کو پہنچنے کا موقع نہ مل سکا۔

انہی لوگوں میں یہ بھی تھے، لیکن بعد کو اس کوتاہی پر سخت نادم ہوئے اور ۶۵ھ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) شاہ محمود احمد عباسی کی تاریخ دانی یا غلط بیانی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو تو وہ "سبائی لیڈر" بتاتے ہیں اور مسلم بن عقبہ مُرّی کو جس کے ہاتھوں مدینہ پاک کی حرمت خاک میں ملی اور سینکڑوں صحابہ و تابعین کا قتلِ عام ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا "معمر صحابی" حالانکہ سلف علماء جب اس مسلم کا ذکر کرتے ہیں تو بجائے "مسلم" کے اس کو "مسرف" یا "مجرم" کے برے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

میں چار ہزار فدائیوں کا لشکر لے کر خونِ حسین کا انتقام لینے کے لیے شامیوں کے مقابلہ میں نکلے۔ یہ لشکر تاریخ میں "توابین" کے نام سے موسوم ہے۔ امیر التوابین یعنی حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ "عین الوردة" کے مقام پر ۲۲ جمادی الاولیٰ ۶۵ھ کو عبید اللہ بن زیاد کے لشکر سے مقابلہ شروع ہوا اور تین دن تک دونوں لشکروں میں معرکہ کارزار گرم رہا۔ تیسرے روز ۲۴ جمادی الاولیٰ کو نہایت بہادری کے ساتھ لڑتے لڑتے انہوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس وقت ان کی عمر ترانوے سال تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق انہوں نے تو ان کو کوفہ سے نکال دینے ہی کے لیے لکھا تھا۔ مگر ناصبیوں کے ممدوح مروان نے تو اپنی حکومت کی ابتداء ہی حضرت موصوف کے قتل سے کی تھی۔ چنانچہ امام ابن حزم ظاہری "جمہرة انساب العرب" میں رقمطراز ہیں

والنعمان بن بشیر اول مولود
ولد فی الانصار بعد الهجرة،
افتتح مروان دولته بقتله و
سیق الیه رأسه من حمص،
رضی الله عن النعمان ولا رضی
من قاتله" (ص ۲۶۳)

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار میں پہلے
صاحبزادے ہیں جو ہجرت کے بعد پیدا ہوئے
مروان نے اپنی سلطنت کا افتتاح ان ہی
کے قتل سے کیا۔ حمص سے ان کا سر کاٹ کر
مروان کے پاس لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نعمان
سے راضی ہو اور ان کے قاتل سے راضی نہ ہو

یہ بھی صحابی ہیں۔ جنگ صفین میں جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے انھوں نے ان کو یمن کا اور یزید نے کوفہ کا گورنر بھی بنایا تھا۔ یزید کے بعد چونکہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیعت کر لی تھی اور انھوں نے ان کو حمص کا والی بنا دیا تھا۔ اس لیے مروان نے ان سے جنگ کر کے ان کو قتل کر ڈالا۔

"داستان گو" صاحب "توابین" کے واقعہ سے انجان ہیں وہ اپنی داستان

اس وقوعہ کے تین ماہ بعد مختار ثقفی کے قصہ سے شروع کرتے ہیں

داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر

(۱۶) چنانچہ "داستان گو" صاحب نے واقعہ کربلا کے بارے میں جو داستان تصنیف فرمائی ہے اس کا ڈراپ سین اس طرح ہوتا ہے۔

"خلیفہ یزیدؒ کی وفات سے حضرت مروانؓ کے خلیفہ ہونے تک دو سال کی مدت بنتی ہے، اس مدت میں عبداللہ بن زبیر کا دعوئی خلافت اور خوارج کی جنگیں جاری رہیں، لیکن قتل حسین کے متعلق اس دوران بھی کوئی آواز ایسی نہیں اٹھی جس میں خلیفہ یزید یا بنی امیہ کو اس قتل کا ذمہ دار گردانا گیا ہو، حالانکہ حضرت مروان کی خلافت کے قیام تک حضرت حسین کے قتل کے واقعہ کو چار سال گذر چکے تھے، عبداللہ بن زبیر ابھی زندہ تھے اور اپنی خلافت کے مدعی تھے۔ رمضان ۶۵ ہجری میں مختار ثقفی نامی ایک شخص کوفہ میں آیا اور اس نے خون حسین کے انتقام کا خفیہ پروپیگنڈہ شروع کیا" ....

اس شخص نے رفتہ رفتہ خفیہ طور سے ایک گروہ اکٹھا کر لیا اور آخرکار ۶۶ھ میں حضرت حسین کے قتل کے ۶ سال بعد خون حسین کے انتقام کا نعرہ اس نے بلند کیا اب بھی الزام بنی امیہ اور خلیفہ یزید پر نہیں لگایا گیا بلکہ صرف خون حسین کے انتقام کا نعرہ بلند کیا گیا۔.....

خون حسین کے انتقام کا یہ سیاسی نعرہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد اموی حکومت کی مخالفت میں موڑ دیا گیا اور پھر جس گروہ نے یا جس شخص

نوٹ: سابق میں گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے شہادت حسین کے فوراً بعد یزید کی حکومت کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور قتل حسین کے سلسلہ میں اس پر نکیر کی تھی۔

نے بھی مسلمان حکومتوں میں خروج و بغاوت کے لیے کمر باندھی اس نے قتلِ حسین کے نعرہ کو ہی اپنا منشور بنایا، اس کے بعد ہی اس واقعہ سے متعلق وہ تمام قصے اور کہانیاں گھڑی گئیں جو آج تک شیعہ اور سنی فرقوں میں مشہور چلی آرہی ہیں۔ اگرچہ اہلِ سنت کے محقق علماء نے ہمیشہ ان گھڑے ہوئے قصوں کا رد کیا ہے اور بہت سے اہلِ علم و تحقیق شیعہ عالموں نے بھی ان قصوں کو جھوٹا اور من گھڑت بتایا ہے۔

بہرحال یہ ہے کربلا کی سچی اور تاریخی داستان" (داستانِ کربلا ص ۲۶ تا ۲۹)

ہم اس کھلی ہوئی افتراء پردازی پر جس کو احمد حسین کمال "سچی اور تاریخی داستان" بتلاتے ہیں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ ع

اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

بھلا اہلِ سنت کے محقق علماء میں سے کسی ایک عالم کا بھی نام لیا جا سکتا ہے جو اس بات کا قائل ہو کہ قتلِ حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ذمہ داری یزید کی اموی حکومت اور اس کے بداعمال عمال پر عائد نہیں ہوتی بلکہ آپ کے قاتل دراصل وہ آپ کے ساتھ کوفی رفقاء ہیں جو مکہ معظمہ سے لے کر کربلا تک آپ کے ہمرکاب تھے اور جنھوں نے آپ ہی کی رفاقت میں میدانِ کربلا میں شربتِ شہادت نوش کیا اور پھر آپ کی شہادت کے ٹھیک چھ برس بعد آپ کے خونِ ناحق کی جھوٹی تہمت ناکردہ گناہ خلیفہ یزید اور اس کی حکومت کے کارندوں کے سر تھوپ دی گئی اور پہلا شخص جس نے یہ تہمت طرازی کی اور پھر اس کا غلط پروپیگنڈہ کیا وہ مختار ثقفی ہے، چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک ساری "امت مسلمہ" مختار کذاب کے غلط پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اصل قاتلوں کی بجائے یزید بے چارہ کو برا بھلا کہتی چلی آتی ہے، اس جرأت کے ساتھ غلط بیانی ہمارے نزدیک کسی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا، یہ الف

لیلیٰ کی کہانی نہیں، سبطِ پیغمبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بیان ہے اس میں افسانہ طرازی اور داستان گوئی، حد درجہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے، ایسی نازیبا حرکت ساری اسلامی دنیا کی دل آزاری کا باعث ہے، اللہ تعالےٰ سب مسلمانوں کو ان ناصبیوں کے شر سے محفوظ رکھے، آمین۔

حضرت علیؓ و حسینؓ کی تحقیر و توہین

(۱۷) "داستانِ کربلا" لکھی تھی تو قاعدہ کے مطابق "داستان گو" صاحب کو اپنی داستان واقعات کربلا پر ہی ختم کر دینا چاہیے تھی، مگر جس طرح کسی رافضی سے موقع بے موقع خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم پر تبرا کیے بغیر نہیں رہا جاتا، وہی حال ان کے مقتدی ناصبیوں کا بھی ہے کہ یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آلِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تبرا کیے بغیر نہیں رہ سکتے اور "داستان گو" صاحب تو ان ناصبیوں کے نقیب ٹھہرے، پھر بھلا وہ کیسے اس سے باز رہ سکتے تھے، اس لیے انہوں نے حادثہ کربلا کا "پس منظر" بیان کرتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تحقیر و توہین میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہے اور دل کھول کر ان دونوں حضرات پر طعن و طنز کیا ہے۔ چنانچہ "داستان گو" کے الفاظ ہیں۔

> "ان شیعانِ علی نے حضرت علیؓ کو کبھی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے لڑایا کبھی حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے خلاف کھڑا کیا اور پھر خود یہ شیعان حضرت علیؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، آپ پر کفر کا فتویٰ عائد کیا، نہروان پر حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کی، حتیٰ کہ چھپ کر ایک دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے حضرت علیؓ کی موت واقع ہوگئی۔"
>
> ("داستانِ کربلا" ص ۱۴)

خاک جس میں گستاخ کیا خوب گویا نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، خلیفہ راشد نہیں، علم نبوی کے حامل نہیں، فراستِ دینی سے بہرہ ور نہیں، فقہی مسائل سے آشنا نہیں، محض نرے نادان تھے نہ کچھ سمجھ رکھتے تھے نہ شعور جو ان شیعوں کے کہنے میں آکر کبھی حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جا لڑے اور کبھی ان کے بہکانے سے جناب معاویہ و عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے! اور وہاں ان ناصبیوں کے بڑے بھائی خارجیوں کا کچھ ذکر نہیں، شاید دنیا میں ان کا وجود ہی نہ تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہروان کے مقام پر جن لوگوں نے جنگ کی وہ خوارج نہیں بلکہ ان نواصب کے پیش رو "شیعان علی" تھے جن کی تقلید میں "مجلسِ عثمان غنی" نے جھوٹ بولنے پر کمر باندھ رکھی ہے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی قطعاً خارجی نہ تھا، جیسا کہ اسلامی دنیا آج تک باور کرتی چلی آئی ہے بلکہ مجلس کے "داستان گو" کی سچی اور تاریخی داستان کے مطابق "شیعان علی" کا ایک فرد تھا ماشاء اللہ کیا کہنے اس داستان گوئی کے، داستان ہو تو ایسی ہو، کہ جس میں کہیں سچ کا شائبہ بھی نہ نکلے۔

ایک نئی دریافت

(۱۸) اور سنیے کیا نئی دریافت ہے۔

"دراصل یہ شیعان علی، قاتلان عثمان کا ہی گروہ تھا جو حضرت علی کے گرد جمع ہو گیا تھا، آپ کو خلیفہ بنایا اور خلافت کا مرکز مدینہ سے منتقل کرا کر کوفہ لے آیا اور بجائے اس کے کہ حضرت علی کی خلافت کو مستحکم بننے دیتا، انھیں کبھی حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہؓ سے جا لڑایا، جب حضرت علیؓ نے چاہا کہ صلح و صفائی کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں، تو ان شیعان علی نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخر سازش کر کے ایک

دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ جاں بر نہ ہو سکے۔"

(داستانِ کربلا ص ۱۵)

(ل) معلوم ہوا، خاک بدہن گستاخ (ونعوذ باللہ من ھذہ الخرافات) حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ" ان شیعانِ علی کے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں" کسی مسلمان نے ان سے خلافت کی بیعت ہی نہیں کی، لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ" مجلسِ عثمانِ غنی" کے ناصبیوں کی طرح وہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ برحق ماننے سے انکار کر دیں

"داستان گو" صاحب نے اپنی داستان میں یہ وضاحت نہ کی کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ کس عقیدہ کے حامل تھے۔ اہلِ سنت کے عقائد رکھتے تھے یا اہلِ تشیع کے، جہاں انہوں نے تاریخی اساطیر سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان کی خلافت کے بارے میں یہ مفتریات ومکذوبات جمع کی تھیں، وہاں اگر وہ دو حرف اس سلسلہ میں بھی سپردِ قلم فرما دیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا، امت کو ایک اور نئی بات معلوم ہو جاتی اور خود حضرت علی کرم اللہ تعالٰے وجہہ کی شخصیت کے بارے میں بھی ان ناصبیوں کا نقطہ نظر واضح ہو جاتا۔

(ب) یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالٰے وجہہ کوئی با اختیار خلیفہ نہ تھے بلکہ شیعانِ علی کے ہاتھوں میں جو دراصل قاتلانِ عثمان تھے بالکل بے بس تھے مگر اس کے باوجود اقتدار سے چمٹے ہوئے تھے، انھوں نے خلافت کا مرکز مدینہ سے منتقل کرایا اور یہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے آئے۔ حرمِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو خیرباد کہہ دیا اور ذرا خیال نہ آیا کہ کیا کر رہے ہیں، یہ" شیعانِ علی قاتلانِ عثمان" جب چاہتے جس سے چاہتے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ کو جا لڑاتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ تعالٰے وجہہ ہر وقت لڑنے کو موجود رہتے تھے کبھی انکار ہی نہیں کیا، جب ان لوگوں نے حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰے عنہم سے لڑنے کو کہا ان سے لڑنے پہنچ گئے اور جب" صفین" میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے لڑائی کو کہا تو

وہاں آ کر اترنے لگے۔ گویا با اختیار خلیفہ نہیں بلکہ ان ”شیعانِ علی“ قاتلانِ عثمانؓ کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ (معاذ اللہ من ہذہ الاکاذیب)

(ج) یہ بات بھی واضح ہوئی کہ آخیر زندگی میں حضرت ممدوح نے چاہا بھی کہ تسلیم و صفائی کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں تو ان ”شیعانِ علی“ نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخر سازش کر کے ایک دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ ”خوارج“ کا اس سلسلہ میں کوئی ذکر نہیں کیونکہ وہ اراکینِ ”مجلسِ عثمانِ غنی“ کے بڑے بھائی تھے۔ یہ ناصبی تو صرف حضرت ممدوح کی تحقیق و تجہیل پر قناعت کرتے ہیں اور وہ ان سے دو قدم آگے نعوذ باللہ حضرت کی تکفیر کے مرتکب تھے۔ لہٰذا ”مجلسِ عثمانِ غنی“ کا فرض ہے کہ اپنے ان محبوب و محترم بھائیوں کی جتنی بھی پردہ پوشی کی جا سکے کرے، کیونکہ ان کا نام لینے سے اندیشہ ہے کہ مسلمان ان کے بزرگوں کی توہین کریں گے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے ”مجلسِ عثمانِ غنی“ کے یہ بدباطن ناصبی کس کس طرح سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر تبرّا کرتے ہیں اور بہت سے سادہ لوح مسلمان اس کو بھی شیعوں کی تردید ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ شیعوں کی تردید نہیں حضرت علی و حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اپنے بغض و عناد کا اظہار ہے۔

حضرت حسن کے بارے میں داستان سرائی

(۱۹) اب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ”داستان گو“ صاحب نے جو داستان سرائی کی ہے وہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

> ”حضرت علیؓ کے بعد ان شیعان نے حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کو ان کا جانشین خلیفہ بنا کر، باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم قائم کی، پھر اس گروہ نے حضرت حسن کے ساتھ بھی سرکشی شروع کر دی، آپ کی اہانت کی، آپ کو زخمی کیا، آپ کا سامان لوٹا، مجبور ہو کر [illegible]

اتار لیے حقؓ کے گھر میں عورتوں کے سامان و لباس تک پر دست درازیاں کیں ، بالآخر حضرت حسن نے یہی مناسب سمجھا کہ ان "قاتلانِ عثمان" سے جو شیعانِ علیؓ بن کر ہماری آڑ میں اپنا تحفظ بھی کر رہے ہیں ، یہیں ہمارے بھائیوں اور بزرگوں سے لڑانے میں بھی لگے ہوئے ہیں اور جب چاہتے ہیں ہمارے ساتھ بھی بدسلوکی اور شرارت سے باز نہیں آتے ہیں نجات حاصل کی جائے اور حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انھیں مسلمان امت کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ "قاتلانِ عثمان" کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں اور ان کی شر انگیزیوں سے امت کو بچائیں "۔ (داستانِ کربلا ص ۱۵، ۱۶)

حضرت علی کے بعد یہی سلوک ان شیعان نے حضرت حسنؓ کے ساتھ کیا ، پہلے آپ کو اپنے والد حضرت علیؓ کا جانشین بنا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ، پھر کچھ دن بعد آپ کی توہین کی ، آپ پر حملہ کیا ، آپ کی ران زخمی کر دی اور آپ کا سامان لوٹ لیا ، چنانچہ حضرت حسن نے ان کے اس طرزِ عمل سے بددل و مایوس اور بیزار ہو کر اپنے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی کاتبِ وحی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاتھ پر حسین اور اپنے تمام اہلِ خاندان سمیت بیعت کر لی ۔ (داستانِ کربلا ص ۱۳)

معلوم ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بھی خلافت کی بیعت کرنے والے یہی "قاتلانِ عثمان شیعانِ علی" ہیں ، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرح ان کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بھی خلیفہ راشد ماننے سے انکار کر دیں ، اہلِ سنت خواہ مخواہ آج تک ان دونوں حضرات کو خلیفہ راشد مانتے چلے آتے ہیں ۔

نیز جس طرح ان "قاتلانِ عثمان شیعانِ علی" نے نعوذ باللہ دروغ برگردنِ گستاخ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کھلونا بنا رکھا تھا کہ جس سے چاہتے تھے جب چاہتے تھے حضرت کو لڑا دیتے تھے اور حضرت بلا تامل لڑنے چلے جاتے تھے، اسی طرح انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنا آلۂ کار بنانا چاہا۔ مگر صاحبزادے باپ سے زیادہ ذہین نکلے اور معاملہ کی تہ تک جلد ہی پہنچ گئے، لہٰذا ان سے نجات حاصل کرنے کی بس ایک یہی راہ سمجھ میں آئی کہ

> "حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انھیں مسلمانوں کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ وہ قاتلانِ عثمان کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں اور ان کی شر انگیزیوں سے امت کو بچائیں"

"ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت علی مرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے بسی اور مجبوری کا اس "ناصبی" داستان گو" نے کیا سماں باندھا ہے۔ واقعی ڈاکٹر صاحب نے داستان گوئی کا حق ادا کر دیا، کیا مجال جو کوئی سچی بات درمیان میں آنے پائے، اپنے بزرگ و محترم خارجیوں کے جرائم کو بھی جن کی معنوی ذریت یہ ناصبی صاحبان ہیں ان "قاتلانِ عثمان شیعانِ علی" ہی کے نامۂ اعمال میں درج کر دیا، ان خارجیوں نے اگر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو شہید اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی کیا تھا، تو کیا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی نہیں کیا تھا؟ کیا وہ ان کی زد سے بچ گئے تھے؟ پھر ان کا ذکر کیوں نہ کیا؟

حضرت حسین کی تحقیق

(۲۰) بہرحال "داستان گو" صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صورتِ حال سے کوئی سبق حاصل نہ کیا اور "قاتلانِ عثمان" کے ورغلانے میں آ کر ناحق اپنی جان گنوائی، جس کی تفصیل "داستان گو" صاحب کے الفاظ میں یہ ہے

"حضرت حسین جب شہید ہوئے تو ان کی عمر ۵۵ سال سے تجاوز کر چکی تھی

جوانی کا عہد گذر گیا تھا اور بڑھاپا آچکا تھا، حضرت حسینؓ اس غدارانہ سلوک کو اچھی طرح دیکھ چکے تھے جو شیعانِ علی نے ان کے والد حضرت علیؓ کے ساتھ کیا تھا ..... حضرت علی کے بعد یہی سلوک ان شیعان نے حضرت حسنؓ کے ساتھ کیا تھا۔ (ص ۱۲، ۱۳) حضرت علی کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن ان تمام حالات کو شروع سے دیکھتے چلے آرہے تھے، قاتلانِ عثمان کے ارادوں سے واقف ہو چکے تھے (ص ۱۷) "قاتلینِ عثمان" کے گروہ کے نرغہ سے جو اپنے آپ کو "شیعانِ علی" کہتے تھے، آپ نے خود کو اور اپنے اہلِ خانہ کو نکالا اور مدینہ منورہ جا کر قیام پذیر ہو گئے۔" (ص ۱۹)

لیکن "قاتلینِ عثمان" مایوس نہیں ہوئے اور حضرت علی کے اہلِ خاندان و بنی ہاشم کی نئی نسل کو خلافت کے مسئلہ پر اکسانے کی کوشش کرتے تھے

حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو۔ اپنی وفات سے پیشتر..... اپنے بیٹے یزید کے لیے جانشینی کی بیعت عام لے لی۔ اس دوران کوفہ میں رہنے والے "قاتلانِ عثمان" کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؓ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ آ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ (ص ۲۰، ۲۱)

سنہ ۶۰ھ میں حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی (ص ۲۲) کوفہ کے شیعانِ علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ سے مکہ آ گئے ہیں تو انھوں نے ..... اس مضمون کا خط حضرت حسین کو لکھ بھیجا کہ آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے (ص ۲۳) حضرت حسین کا قتل ان

کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے (ص ۲۴)

غرض جناب" داستان گو" صاحب کے بیان کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جانے پر بھی سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے باوجود قاتلان عثمان کے ورغلانے میں آکر اپنے والد بزرگوار کی طرح طلب خلافت میں جان دے دی اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اگر وہ بھی اپنے برادر بزرگوار کی طرح "قاتلین عثمان" کے گروہ کے نرغہ سے اپنے آپکو اور اپنے اہل بیت کو نکال کر یزید کی بیعت کر لیتے تو کیا اچھا ہوتا۔ یہ ہے وہ تاثر جو" داستان گو" صاحب مسلمانوں کو" داستان کربلا" لکھ کر دینا چاہتے ہیں

قاتلانِ عثمانؓ کے بارے میں ضروری تنقیح

(۲۱) یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہیے کہ

"داستان گو" صاحب بار بار" قاتلانِ عثمانؓ" اور" شیعانِ علیؓ" کے الفاظ کی تکرار اس لیے کرتے ہیں تاکہ اہل سنت کے جذبات بھڑکا کر وہ اپنا الو سیدھا کریں۔ یاد رہے وہ ہر جگہ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں غلط تاثر قائم کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں۔

> "خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی المناک شہادت کے سانحہ نے امت مسلمہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک حصہ ان مسلمانوں پر مشتمل تھا جو حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا تھا اور دوسرا حصہ ان مسلمانوں کا تھا جن میں قاتلین عثمان مل جل گئے تھے اور انھیں مسلمانوں کے پہلے گروہ سے لڑاتے رہنے کی کارروائیوں میں مصروف تھے، حضرت معاویہؓ اور حضرت علی کے درمیان جنگوں کی اصل وجہ یہی تھی" ("داستان کربلا" ص ۱۶، ۱۷)

"داستان گو" کے اس فریب کو سمجھنے کے لیے اولاً "قاتلانِ عثمان" کے معاملہ پر غور

کیجئے، قاتلانِ عثمان کے سلسلہ میں اصل تنقیح طلب یہ امر ہے کہ واقع میں "قاتلانِ عثمان" ہیں کون؟ کیا وہ چند شرپسند جو آس پاس کے مکانات کی دیواروں سے کود کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰے عنہ کے مکان میں داخل ہو گئے تھے اور جنھوں نے اس فعلِ شنیع کا ارتکاب کیا تھا" یا وہ سب مظاہرین جو آپ سے مسندِ خلافت سے کنارہ کش ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے

ظاہر ہے کہ شرعاً اور قانوناً آپ کے قتل کے مجرم وہی اشخاص ہیں جو براہِ راست اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہوئے خود آپ پر حملہ آور ہوئے یا آپ پر حملہ کرنے میں مدد کی۔ ایسے لوگوں کی تعداد خود "داستان گو" صاحب کے بیان کے مطابق پانچ افراد سے زیادہ نہیں، جن کو وہ شیعوں کی ضد میں "پنج تن" کہہ کر پکارتے ہیں۔ ان پانچوں قاتلوں کے نام "داستان گو" صاحب نے یہ لکھے ہیں۔

(۱) محمد بن ابی بکر
(۲) کنانہ بن بشر
(۳) غافقی
(۴) عمرو بن حمق
(۵) سودان بن حمران

بعد کو "داستان گو" صاحب نے کلثوم بن تجیب نامی ایک شخص کو بھی قاتل لکھا ہے[1] لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کا قاتل تھا۔ اگر اس کو بھی وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰے عنہ کا قاتل قرار دیتے ہیں تو ان کی "پنجتن" کی پھبتی غلط ہو جائے گی کیوں کہ اب قاتل "پنجتن" کی بجائے "شش تن" بن جائیں گے۔ بہرحال ان نامزدگان میں حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ تعالٰے عنہ

---

[1] ملاحظہ ہو "داستان گو" صاحب کا "مجلس عثمانِ غنی" سے شائع کردہ کتابچہ "حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے؟" (ص ۷، ۸)

تو صحابی ہیں اور محققین محدثین کی تصریح کے مطابق کسی صحابی رسول کی شرکت قتلِ عثمان میں ثابت نہیں۔ اسی طرح محمد بن ابی بکر صدیق کے متعلق بھی صحیح یہی ہے کہ وہ قتل کے ارتکاب میں شریک نہ تھے۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ڈاڑھی ضرور پکڑی تھی۔ لیکن جب حضرت ممدوح نے یہ فرمایا کہ بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ حرکت پسند نہ آتی یہ جملہ سننے کے ساتھ ہی وہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ پر دست درازی سے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن کچھ بن نہ پڑا۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ ناصبی اپنے امام یزید اور مروان کو تو ہر طرح بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ تاریخ اسلام میں مذکور ہے اس کو سبائیوں کی ہوائی باتیں بتاتے ہیں مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکرؓ کو قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں شریک بنانے کے درپے ہیں صرف اس لیے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے لے پالک تھے اور شیعہ بھی ان کو اپنا ہیرو مانتے ہیں اور اُن پر "قتل عثمان" کی غلط تہمت جوڑتے ہیں، جو خلاف واقع ہے، ناصبیوں کو چاہیے کہ جس طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برادر نسبتی ہونے کی وجہ سے "خال المؤمنین" کہتے ہیں اسی رشتہ سے ان کو بھی "خال المؤمنین" کہا کریں اور ان کا ادب کیا کریں کیونکہ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بھائی تھے۔

سودان بن حمران اور کلثوم تجیبی دونوں موقع پر ہی حسب تصریح حافظ ابن کثیر حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے[لہ] اب صرف غافقی اور کنانہ بن بشر دو شخص رہ جاتے ہیں جو موقع واردات سے کسی طرح فرار ہو گئے تھے

[لہ] ملاحظہ ہو "البدایہ والنہایہ" ج ۷ ص ۱۸۸، ۱۸۹

بعد کو بھی قتل ہوئے چنانچہ ابن جریر طبری نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ قاتلینِ عثمان میں سے کوئی شخص بھی قتل ہونے سے نہ بچ سکا[1]

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ جب مسند آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ اسی واقعہ کی تحقیق تھی، لیکن دقت یہ تھی کہ نہ تو اولیائے مقتول میں سے کسی نے اس وقت دربارِ خلافت میں استغاثہ دائر کیا اور نہ قاتلین میں سے کوئی موجود تھا، نہ قتل کی عینی شہادت کسی کے خلاف فراہم ہو سکی، اب کارروائی کی جاتی تو کس کے خلاف کی جاتی، علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ

علی عان معذوراً فی ترك قتلة عثمان لان شروط الاستیفاء لم توجد۔	حضرت علی قاتلین عثمان کو قتل نہ کرنے میں معذور تھے کیوں کہ قصاص لینے کے لیے جو شرائط ضروری ہیں وہ موجود ہی نہ تھیں
(منہاج السنہ ص ۱۲۹ ج ۳)	

ظاہر ہے کہ جب اصل قاتلوں کا پتہ ہی نہ چل سکے تو پھر قصاص کس سے لیا جائے یہ بات تو ہوئی ان لوگوں کے متعلق جو براہِ راست اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہوئے تھے

اب رہے وہ متظاہرین جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حویلی کا محاصرہ کیا تھا۔ ان کی حیثیت باغی سے زیادہ نہ تھی "داستان گو" نے بھی اپنے پہلے کتابچہ "حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے" میں جگہ جگہ ان کو باغی لکھا ہے، باغیوں کے بارے میں فقہ اسلامی کا فیصلہ یہ ہے کہ بغاوت سے باز آجانے کے بعد ان کو بغاوت کی پاداش میں سزا نہیں دی جائے گی، نیز آغازِ بغاوت میں بھی جب تک وہ لوگوں کی جان و مال سے تعرض نہ کریں ان کو زبانی فہمائش ہی کی جائے گی۔ سمجھایا جائے گا، ان کے شبہ کے ازالہ

---

[1] ملاحظہ ہو "البدایہ والنہایہ" ج۔ ۷ ص۔

کی کوشش کی جائے گی تاکہ وہ فساد و بغاوت سے باز آ جائیں، ہاں اگر وہ زبانی فہمائش سے باز نہ آئے اور انہوں نے خوں ریزی میں پیش دستی کی یا باضابطہ لشکر کشی کر کے لڑنے کو موجود ہو گئے، تو پھر ان سے قتال واجب ہے اب حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما دونوں خلفاء راشدین کے طرز عمل پر نظر ڈال لیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عین محاصرہ کے وقت بھی باغیوں کو زبانی فہمائش ہی پر اکتفا کی اور ہر طرح ان کے شبہات کے ازالہ کی کوشش فرمائی۔ کیونکہ اس وقت تک ان کا معاملہ خلیفۂ وقت کے خلاف مظاہرہ سے آگے نہ بڑھا تھا۔ اخیر میں چند شر پسند جنگی تعداد چار پانچ افراد سے زیادہ نہ تھی، اچانک اشتعال میں آگئے وہ چوروں کی طرح پڑوس کی دیوار سے آپ کی حویلی کی چھت پر کودے اور بالا خانہ میں اتر کر آپ کو شہید کر ڈالا، ان میں کچھ عین وقت پر مارے گئے، کچھ موقع پا کر رات کے اندھیرے میں فرار ہو گئے بعد ازاں جب حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہٗ سے مدینہ کے تمام مہاجرین و انصار نے خلافت کی بیعت کی تو ان مظاہرین نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بیعت کر کے آپ کی اطاعت اختیار کر لی، بغاوت فرو ہو جانے کے بعد اب ان باغیوں سے باز پرس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا فقہاء نے تصریح کی ہے۔

توبة الباغی بمنزلة الاسلام من الحربی فی افادة العصمة والحرمة۔

(البحر الرائق شرح کنز دقائق، باب البغاة)

جان و مال کی حفاظت اور ان کے احترام کے سلسلہ میں باغی کے توبہ کر لینے اور حربی کافر کے اسلام لے آنے کا ایک ہی حکم ہے (کہ اب دونوں کی جان اور مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا)

پھر حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہٗ کو ان باغیوں نے امام نہیں بنایا تھا، بلکہ حضرات مہاجرین و انصار نے آپ کو خلافت کے لیے منتخب فرمایا تھا اور آپ کا استحقاق خلافت

تو درحقیقت اسی روز متعین ہو گیا تھا جس روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انعقاد ہوا۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ نے جب اپنی وفات کے وقت خلافت کا مسئلہ چھ حضرات میں دائر کر دیا تھا اور ان حضرات نے حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دو حضرات کو اس کیلئے نامزد کیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰے عنہ کی عدم موجودگی میں حضرت علی کرم اللہ تعالٰے وجہہ اس منصب جلیلہ کے لیے سب حضرات کی نظروں میں متعین ہیں، لہٰذا جس اجماع کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے لیے متعین ہوئے اسی اجماع نے اس منصب کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو متعین کیا یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عہدہ جلیلہ کو قبول کرنے کے لیئے اپنی رضامندی ظاہر کی، مدینہ طیبہ کی آبادی آپ سے بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑی، چنانچہ امام ابن حزم ظاہری "الفصل فی الملل والاہواء والنحل" میں فرماتے ہیں۔

ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما ادعی الی نفسہ بعد قتل عثمان رضی اللہ تعالٰے عنہ سارعت طوائف المھاجرین والانصار الی بیعتہ۔

(ج۔۳ ص ۱۰۰، ۱۰۱)

بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰے عنہ کی شہادت کے بعد جب اپنے لیے حق خلافت کا اظہار فرمایا تو مہاجرین و انصار جوق درجوق آپ کی بیعت پر ٹوٹ پڑے۔

اور پھر آپ سے بیعت کرنے کے بعد ان حضرات مہاجرین و انصار نے جس جاں نثاری کا ثبوت دیا اس کا اظہار امام موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے

اذ دعا الی نفسہ فقامت معہ طوائف من المسلمین

جیسے ہی جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف دعوت دی مسلمانوں کی بڑی

عظيمة و بذلوا دماءهم دونه، ورأوه حينئذٍ صاحب الأمر والأولى بالحق ممن نازعه۔

(ج-٣ ص ٩٧)

بڑی جماعتیں آپ کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئیں اور آپ پر اپنی جانیں قربان کر دیں، یہ سب حضرات اس وقت آپ ہی کو اپنا امیر مانتے اور جو لوگ آپ سے برسرِ نزاع تھے ان کے مقابلے میں آپ ہی کو حق پر جانتے تھے

اور آگے چل کر لکھتے ہیں

الذين بايعوه بعد ذلك اذ صار الحق حقه، وقتلوا انفسهم دونه۔ (ج-٣-ص-١٠٦)

وہ حضرات جنھوں نے شہادتِ عثمان کے بعد آپ سے بیعت کی جبکہ خلافت آپ ہی کا حق تھا اور پھر آپ کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں۔

یہی حضرات مہاجرین و انصار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رفقاء و جاں نثار تھے جن کو یہ ناصبی "شیعانِ علی" اور "قاتلینِ عثمان" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شیعہ مخلصین کون ہیں

(۲۲) رہا "شیعانِ علی" کا مسئلہ تو واضح رہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہٗ کے شیعہ مخلصین یہی حضرات اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، یہی آپ کو خلیفہ راشد مانتے ہیں یہی آپ کی نسبتِ روحانی اور آپ کے علم کے حامل ہیں غور فرمائیے، تصوفِ اسلامی کے اکثر و بیشتر سلسلے حضرت ممدوح ہی کی طرف منسوب ہیں، فقہ حنفی کا دار و مدار زیادہ تر حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے فتاویٰ پر ہی ہے اہلِ سنت کی کتب احادیث میں تمام خلفاء راشدین سے زیادہ آپ کی مرویات ہیں۔ غلاۃ شیعہ نصیریہ، اسماعیلیہ، اثنا عشریہ اور زیدیہ جو اپنے آپ کو "شیعانِ علی" کہتے ہیں محض غلط ہے، ان لوگوں نے نہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے استفادہ کیا، نہ آپ کی تعلیم کو محفوظ رکھا اور نہ یہ آپ کی نسبت کے حامل ہیں نہ ان کا حضرت موصوف سے کوئی تعلق تاریخ میں ثابت ہے اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہو تو تحفہ

اثنا عشریہ مولفہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی سے مراجعت کرلی چاہیے تاکہ حقیقت حال معلوم ہوجائے[1]۔

اس میں شک نہیں کہ شیعوں کے تینوں فرقے غالی[1] جو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو نعوذ باللہ خدا مانتے ہیں، رافضی[2] تبرائی جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالے عنہما کو غاصب خلافت سمجھ کر ان پر سب وشتم کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کو امام معصوم سمجھتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کی خلافت کی صاف تصریح کردی تھی اور تفضیلی[3] جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالے عنہما سے افضل مانتے ہیں ان تینوں فرقوں کا آپ کے زمانۂ خلافت میں ظہور ہوچکا تھا، جس طرح کہ خوارج بھی جو حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کافر سمجھتے ہیں اسی دور میں پیدا ہوئے تھے اور نواصب بھی جن کا کام صرف حضرت علی کرم اللہ تعالے وجہہٗ اور آپ کے خاندان سے عناد کا اظہار ہے، لیکن امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالے وجہہ نے ان سب گمراہ فرقوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا وہ علامہ شیخ ابن

---

[1] ملاحظہ ہو تحفہ اثنا عشریہ (ص ۲) اور (ص ۲۱) پر فرماتے ہیں۔

شیعہ حقیقی مرتضیٰ علی اہل سنت وجماعت اند کہ بروش آنجناب میروند وبا کسے بد نمیتنند و ہر کیے را بہ نیکی یاد می کنند و در عقائد و اعمال اتباع قرآن و حدیث وسیرت آنجناب مینمایند۔ "حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی شیعہ تو اہل سنت وجماعت ہی ہیں کہ ان ہی کی روش پر چلتے ہیں اور کسی کے ساتھ برے نہیں سب کو نیکی کیساتھ یاد کرتے ہیں اور عقائد و اعمال میں قرآن وحدیث کی اتباع کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقے پر چلتے ہیں۔" واضح رہے کہ "شیعہ" کے معنی گروہ کے ہیں، اس لیے "شیعہ علی" کے معنی ہوئے "حضرت علی کی جماعت"، اور ظاہر ہے کہ یہ صفت حضرات اہل سنت کی ہے نہ کہ "روافض" کی۔ ان کو "شیعان علی" کہنا ایسا ہی ہے جیسے [illegible] کو [illegible] کہنا یا خاکروب کو حلال خور۔

تیمیہ کی زبان سے سنئے۔

وقد عاقب علی بن ابی طالب طوائف الشیعة الثلاثة، فانه حرّق الغالیة الذین اعتقدوا الالٰهیة بالنار، وطلب قتل ابن سبا لما بلغه انه یسب ابابکر و عمر فهرب منه، وروی عنه انه قال لا اوتی باحد یفضلنی علی ابی بکر و عمر الا جلدته حد المفتری، وقد تواتر عنه انه قال خیر هذه الامة بعد نبیها ابوبکر ثم عمر، ولهذا کان اصحابه الشیعة متفقین علی تفضیل ابی بکر و عمر علیه۔

(فتوی ابن تیمیہ ص ۲۹[1])

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ نے شیعوں کی ان تینوں پارٹیوں کو سزا دی چنانچہ غالی پارٹی کو جو آپ کی "الوہیت" کی قائل تھی نذرِ آتش کیا، اور ابن سبا کے بارے میں جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالیاں دیتا ہے تو آپ نے اس کو قتل کرنے کے لیے طلب فرمایا، لیکن وہ فرار ہو گیا اور آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا "جو کوئی شخص بھی میرے سامنے اس خیال کا پیش کیا گیا کہ وہ مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا ہو تو میں اس کو مفتری کی حد (اسّی کوڑے) لگاؤں گا" اور یہ روایت تو آپ سے بہ تواتر ثابت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا "اس امت میں نبی کے بعد سب سے بہتر ابوبکر ہیں اور پھر عمرؓ" اسی لیے آپ کے شیعہ اصحاب (مخلص رفقاء یعنی اہل سنت) اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر حضرت علی سے افضل تھے

---

[1] واضح رہے کہ ڈاکٹر صلاح الدین منجد نے ابن تیمیہ کے اس فتوی کو جو قلمی شکل میں محفوظ تھا "المجمع العلمی دمشق" کے شمارہ ج ۲۸، جز ثالث و رابع میں تصحیح کے ساتھ شائع کیا تھا جس کا اصل متن اور ترجمہ ابن تیمیہ اکیڈمی کراچی نے ۱۹۶۳ء میں "یزید بن معاویہ از ابن تیمیہؒ" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس فتوی کے مترجم جناب ڈاکٹر جمیل احمد صاحب صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی ہیں۔

اور خوارج کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فلما قتل عثمان و تفرق الناس ظهر اهل البدع والفجور، و حينئذ ظهرت الخوارج فكفروا علي بن ابي طالب و عثمان بن عفان و من والاهما حتى قاتلهم امير المؤمنين علي بن ابي طالب طاعة لله ورسوله وجهاداً في سبيله، واتفق الصحابة على قتالهم لم يختلفوا في ذلك كما اختلفوا في الجمل و صفين۔

(ص ۴۸)

پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ شہید کر دیئے گئے اور لوگوں میں افتراق پیدا ہوا تو اہلِ بدعت و فجور کا ظہور ہوا اور اسی زمانہ میں خوارج بھی ظاہر ہوئے جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے محبین کی تکفیر کی تاآنکہ حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالےٰ وجہہ نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ان لوگوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، سارے صحابہ ان خوارج سے قتال پر متفق تھے، جنگ جمل وصفین کی طرح اس بارے میں ان میں باہم کوئی اختلاف نہ تھا۔

بہر حال حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ یا حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جتنے بھی سیاسی یا غیر سیاسی اقدامات کیے ان میں ان نام نہاد "شیعانِ علی" کا کوئی دخل نہ تھا، ان سب حضرات کے اصل فدائی اور جان نثار اور ان کی کماحقہ عظمت و قدر کرنے والے اور ان سے صحیح محبت رکھنے والے ہمیشہ سے حضرات اہل السنۃ والجماعۃ چلے آتے ہیں اور وہی ان کے اصل پیرو ہیں، ناصبیوں کو تو ان حضرات سے بغض ہے اور ان نام نہاد "شیعانِ علی" کو ان کی محبت میں وہ غلو ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، ناصبی اور رافضی دونوں جادۂ حق سے دور ہیں۔ اصل صراطِ مستقیم پر حضرات اہل السنۃ والجماعۃ ہیں غرض یہ بات خوب یاد رکھیے اور "داستان گو" کے بار بار "قاتلان عثمان" اور "شیعانِ علی" کے الفاظ کی رٹ لگانے سے بالکل دھوکہ نہ کھائیے، اس

کا مقصد ان الفاظ کے بار بار دہرانے سے سوائے ابلہ فریبی کے اور کچھ نہیں ہے۔

باقی "داستان گو" صاحب نے جو بار بار یہ تکرار کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو "ان شیعانِ علی" نے کبھی حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہ سے جا لڑایا" سو محض لغو ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جنگیں بغاوت کو فرو کرنے کے لیے کی تھیں وہ امام راشد تھے انہوں نے جو جہاد کیا ہے، کتاب و سنت کی روشنی میں کیا ہے۔ حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کو غلط فہمی ہوئی، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائل کیا انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اسی وقت میدان مصاف سے اپنی گھوڑے کی باگ موڑ دی اور لشکر سے نکل کر چل دیے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جو ان کو جاتے دیکھا تو یہ بھی فوراً میدانِ جنگ سے ہٹنے لگے، لیکن مروان نے ان کو جاتے دیکھ کر ان کے گھٹنے میں ایسا تیر مارا کہ ان کا کام تمام ہو گیا، تاہم ان میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک لشکری کے ہاتھ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کر کے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی، رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو جنگ جمل میں اپنے شریک ہو جانے پر اس قدر رویا کرتی تھیں کہ آپ کا دوپٹہ تر ہو جاتا تھا، یہ سب باتیں کتب احادیث میں مصرح ہیں، صفین میں جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل ہوئے ان کے بارے میں احادیث متواترہ میں "فئۃ باغیۃ" کے الفاظ آتے ہیں، جس کے معنیٰ "باغی جماعت" کے ہیں، غرض جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بغاوت کی وہ یا تو غلط فہمی کی وجہ سے کی جیسے کہ اہل جمل تھے یا پھر ان سے دانستہ یا نادانستہ طور پر غلطی ہوئی جیسے کہ "بغاۃ شام" بہرحال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تمام جنگوں میں برسرِ حق تھے اور ان کے مخالفین خطا پر، پھر اس میں یہ تاثر دینا کہ حضرت

علی کرم اللہ وجہٗ اپنے شیعان کے ہاتھ میں کھلونا بنے ہوئے تھے، ناصبیوں کی محض بکواس ہے۔ حافظ ابن تیمیہ، منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں۔

ولو قدم رجل فی علی بن ابی طالب بانہٗ قاتل معاویۃ و اصحابہٗ و قاتل طلحۃ و الزبیر لقیل لہ علی بن ابی طالب افضل و اولٰی بالعلم والعدل من الذین قاتلوہ فلا یجوز ان یجعل الذین قاتلوہ ھم العادلین و ھو ظالم لھم۔

(منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ ج ۲۔ ص ۱۹۰ طبع مصر ۱۳۲۲ھ)

اگر کوئی شخص حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یوں قدح کرنے لگے کہ انہوں نے معاویہ اور ان کے اصحاب سے قتال کیا اور حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالٰے عنہما سے بھی جنگ کی تو اس سے کہا جائے گا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ علم اور عدل کے اعتبار سے ان تمام لوگوں سے جو ان سے برسرِ جنگ ہوئے افضل و اعلیٰ تھے، لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ جنہوں نے حضرت علی سے قتال کیا، بس وہی عادل ٹھہریں اور حضرت علی ظالم۔

اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

وہمیں است مذہب اہلِ سنت کہ حضرت امیر در مقاتلات خود بر حق بود و مصیب و مخالفانِ او بر غیر حق و مخطی۔

(ص ۲۱۹ طبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۲۵ھ)

اور اہلِ سنت کا مذہب یہی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہٗ اپنی جنگوں میں حق پر تھے اور صواب پر اور آپ کے مخالف ناحق پر اور خطا کار۔

ناصبی جو چاہیں بکتے رہیں، حدیث نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس دور میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کا گروہ اس امت کے بہترین افراد میں تھے، چنانچہ صحیحین میں خوارج کے سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔

ويخرجون على خير فرقة من الناس قال ابو سعيد اشهد اني سمعت هذا الحديث من رسول الله صلى الله عليه وسلم و اشهد ان علي بن ابي طالب قاتلهم و انا معه۔

(مشكوٰة المصابيح باب في المعجزات الفصل الاول ص ۵۳۵)

یہ خارجی ان لوگوں کے خلاف اٹھیں گے جو سب سے بہتر جماعت ہوگی، ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کیا اور میں بھی اس جہاد میں آپکے ہمراہ تھا

حضرت حسن کے بارے میں افتراء پردازی (۲۳)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جن خیالات کا "داستان گو" نے اظہار کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں، حافظ ابن حزم ظاہری نے "الفصل فی الملل والاہواء والنحل" میں تصریح کی ہے کہ

و مع الحسن ازيد من مائة الف عنان يموتون دونه۔ (ج-۴ ص ۱۰۵)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیساتھ ایک لاکھ سے زائد ایسے شہسوار تھے جو آپ کے آگے جان فدا کرنے کو تیار تھے۔

اور اسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری" میں اس حدیث شریف کے ذیل میں جس میں یہ مذکور ہے کہ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بار خطبہ دے رہے تھے، اسی اثناء میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے سے آگئے تو آپ نے ان کو دیکھ کر برسرِ منبر ارشاد فرمایا

ابني هذا سيد، ولعل الله ان يصلح به بين فئتين من المسلمين

(ج-۱۳ ص ۵۷)

میرا یہ بیٹا "سید" ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بدولت مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔

اس حدیث کے فوائد کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وفی هذه القصة من الفوائد، علم من اعلام النبوة، ومنقبة للحسن بن علی فانه ترك الملك لا لقلة ولا لذلة ولا لعلة بل لرغبة فیما عند الله، لا رأه من حقن دماء المسلمین فراعی أمر الدین ومصلحة الامة۔

(ج-۱۳ ص ۵۷)

اس واقعہ میں جو فوائد ہیں ان میں ایک تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی نشانی ہے کہ آپ کی پیشین گوئی کا ظہور ہوا، دوسرے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی منقبت معلوم ہوئی کہ آپ بغیر کسی قسم کی کمی یا کسی طرح کی قلت کے یا کسی نوع کی علت کے، خالصۃً لوجہ اللہ سلطنت سے دستبردار ہو گئے کیونکہ آپ نے یہ محسوس کیا کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کی خون ریزی سے بچ جائیں گے، لہٰذا آپ نے دین اور مصلحتِ امت کی رعایت فرمائی۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت باوجود باغی ہونے کے زمرۂ مسلمین سے خارج نہ تھے، جیسا کہ خوارج یا روافض کا خیال ہے یہ بھی واضح رہے کہ حضرات اہل السنۃ والجماعۃ روافض کی طرح کہ وہ اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں کسی امتی کو معصوم نہیں سمجھتے بلکہ کسی صحابی سے بھی اگر کوئی غلطی ہو جائے تو وہ غلطی کو غلطی ہی کہتے ہیں اور ان کی اسلامی خدمات اور شرفِ صحابیت کی بناء پر ان کے احترام میں کوئی کمی نہیں کرتے۔

جن لوگوں نے حضرت علی سے جنگ کی انکے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ

علامہ احمد بن علی مقریزی نے اپنی مشہور تصنیف "الخطط والآثار" میں اہل سنت کے عقائد کے ترجمان امام ابوالحسن اشعری کا جو عقیدہ اس باب میں نقل کیا ہے اور جس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے وہ یہ ہے۔

والائمة مترتبون في الفضل ترتيبهم في الامامة، ولا اقول في عائشة و طلحة والزبير رضي الله عنهم الا انهم رجعوا عن الخطأ، و اقول ان طلحة والزبير من العشرة المبشرين بالجنة، و اقول في معاوية و عمرو بن العاص انهما بغيا على الامام الحق علي بن ابي طالب رضي الله عنهم فقاتلهم مقاتلة اهل البغي و اقول ان اهل النهروان الشراة هم المارقون من الدين و ان عليا رضي الله عنه كان على الحق في جميع احواله، و الحق معه حيث دار

(ج ۲ ص ۳۶۰ طبع بولاق مصر ۱۲۷۰ھ)

فضیلت کے اعتبار سے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں وہی ترتیب ہے جس ترتیب سے وہ اس منصب رفیع پر فائز ہوئے تھے اور حضرات عائشہ و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ان حضرات نے اپنی خطا سے (جو جنگ جمل میں شرکت کی بناء پر واقع ہوئی تھی) رجوع کر لیا تھا اور میں اس کا قائل ہوں کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہما ان دس حضرات میں سے تھے کہ جن کو جیتے جی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی اور میں معاویہ اور عمرو بن عاص کے بارے میں یہی کہتا ہوں کہ ان دونوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی جو خلیفہ برحق تھے اور حضرت امیر المؤمنین نے ان سے اسی طرح جنگ کی جس طرح باغیوں سے کرنی چاہیے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اہل نہروان جو اس امر کے مدعی تھے کہ ہم نے اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے وہ دراصل دین سے فراری تھے اور یہ بھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تمام حالات میں حق پر تھے اور آپ نے جو قدم بھی اٹھایا حق آپ کے ساتھ تھا۔

نواصب تقیہ سے باز آئیں

افسوس ہے کہ "مجلس عثمان غنی" کے ناصبیوں نے سچ کو اپنا شعار بنانے کی بجائے روافض کی اتباع کو پسند کیا اور جھوٹ اور نفاق کو اپنا شعار بنایا۔ یہ دونوں کتابچے (۱) "شہادت عثمان غنی کیوں اور کیسے" (۲) "داستان کربلا۔ کذب کا مرقع" ہیں۔ نفاق تو ظاہر ہے کہ خود کو اہل سنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی مسجدوں میں امام بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ شخصی آزادی کے اس دور میں ان کو تقیہ کی چادر اپنے سر پر ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ صاف کھل کر کہنا چاہیے کہ ہم یزید و مروان کی امامت کے قائل ہیں۔ یزید کو حسین سے، مروان کو عبداللہ بن زبیر سے اور معاویہ کو علی مرتضیٰ سے افضل مانتے ہیں۔ ہمارے نزدیک علی و حسین رضی اللہ عنہما پسندیدہ شخصیتیں نہیں۔ اس لیے ہم ان پر طعن و تشنیع کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں جس طرح روافض کو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم پر تبرا کرنے کا حق ہے۔ اسی طرح علی و حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہم ان حضرات ثلاثہ پر تبرا کرنے کا ہم کو بھی حق ہے۔ ہم نے علی و آلِ علی کے بغض و عناد کا جھنڈا نصب کر رکھا ہے۔ اس لیے ہم ناصبی ہیں۔ تاریخ میں ناصبیوں کا یہ لقب پہلے سے موجود ہے اس میں ذرا شرمانے اور جھجکنے کی کوئی بات نہیں جرأت کی ضرورت ہے۔ علانیہ کہنا چاہیے کہ مروان الحمار کے قتل پر جب مشرق سے اموی حکومت کا جنازہ نکل گیا تھا تو اس مکتب فکر کے لوگ ختم ہو گئے تھے۔ لیکن اب پھر بارہ سو برس کے بعد اسی مروان الحمار کی یادگار ہم لوگ بھی ہیں جو محمود احمد عباسی کی تحقیقات سے متاثر ہو کر اس کو اپنا "امام و شیخ الاسلام" سمجھتے ہوئے اس مکتب فکر سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اسی نام سے جانا اور پہچانا چاہیے۔ اگر ان ناصبیوں نے ایسا ہی کیا اور جرأت کے ساتھ برملا اپنے تشخص کا اظہار کر دیا تو وہ اس نفاق سے بچ جائیں گے جس میں فی الحال وہ مبتلا ہیں اور مسلمان بھی ان کا اصلی چہرہ پہچان لیں گے۔

یزید کے کرتوت حدیث کی روشنی میں

اب ہم اخیر میں مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث پر اپنی تنقید کو ختم کرتے ہیں جو "باب الایمان بالقدر" کی فصل ثانی میں بایں الفاظ مرقوم ہے۔

من عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت قال رسول الله صلّی الله علیه وسلّم ستة لعنتهم و لعنهم الله وکل نبی یجاب، الزائد فی کتاب الله، والمکذب بقدر الله والمتسلط بالجبروت لیعز من اذله الله و یذل من اعزه الله والمستحل لحرم الله والمستحل من عترتی ما حرم الله والتارک لسنتی رواه البیهقی فی المدخل ورزین فی کتابه۔

(ص ۲۲)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ چھ آدمی ہیں جن پر میں نے بھی لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے (یہ چھ شخص یہ ہیں) اول وہ کہ جو کتاب اللہ میں زیادتی کرے۔ دوسرے وہ جو تقدیر الٰہی کا منکر ہو، تیسرے وہ جو جبر و ظلم سے مخلوقِ خدا پر مسلط ہو جائے تاکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلت دی ہے اسے عزت بخشے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے ذلیل کرے، چوتھے وہ جو اللہ تعالیٰ کے حرم پاک کو بے حرمت کرے، پانچویں وہ جو میری عترت کی اس حرمت کو خاک میں ملائے جو اللہ نے دی ہے چھٹے وہ جو میری سنت کا تارک ہو اس حدیث کو امام بیہقی نے المدخل میں اور محدث رزین عبدری نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں اب ذرا یزید کی زندگی پر نظر ڈالیے آپ کو معلوم ہوگا کہ

اس میں بہت سی لغتی باتیں جمع ہو گئی تھیں۔

(۱) اس کا فاسق و فاجر اور تارک سنت ہونا تو بہ تواتر ثابت ہے جس طرح رستم کی شجاعت، حاتم کی سخاوت مشہور ہے اس سے زیادہ یزید کا ظلم و ستم اور اس کا فسق و فجور مشہور ہے۔

(۲) وہ جبر و زبردستی سے حکومت پر مسلط ہو گیا تھا، اس نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک خلقت کو ذلیل کیا اور ناحق ان کا خون بہایا۔

(۳) اس نے نہ صرف حرم کعبہ کی بے حرمتی کی اور اس پر فوج کشی کی؛ بلکہ حرم نبوی کو بھی تین دن کے لیے اپنی فوج کے لیے بالکل حلال کر دیا کہ وہ جو چاہے وہاں کرے، چنانچہ یزیدی لشکر نے تین دن تک حرم نبوی میں وہ فساد مچایا کہ پناہ بخدا، سینکڑوں صحابہ و تابعین کے علاوہ اولاد انصار و مہاجرین کا ناحق قتل عام ہوا، لوٹ مار اور قتل و غارت کا یہ عالم تھا کہ تین دن تک مسجد نبوی میں کوئی نماز نہ ہو سکی، چنانچہ مشکوٰۃ ہی میں "باب الکرامات" میں منقول ہے۔

وعن سعيد بن عبد العزيز قال لما كان ايام الحرّة لم يؤذّن في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم ثلاثا ولم يُقم۔ ولم يبرح سعيد بن المسيب المسجد وكان لا يعرف وقت الصلوة الا بهمهمة يسمعها من قبر النبي صلى الله عليه وسلم۔ رواه الدارمي (ص ۵۴۵)	حضرت سعید بن عبد العزیز سے مروی ہے کہ فتنہ حرہ کے دنوں میں مسجد نبوی میں تین دن تک نہ اذان ہوئی نہ اقامت، بس اکیلے حضرت سعید بن المسیب تھے جو مسجد ہی میں رہے۔ یہ بھی نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے مگر اس ہلکی سی آواز سے جو قبر نبوی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) سے وہ سنا کرتے تھے۔ اس روایت کو امام دارمی نے نقل کیا ہے۔

(۳) اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و حرمت کو جس طرح اس نے خاک

میں ملا یادہ تو زبان زدِ خاص و عام ہے، یہی وجہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ان کی مشہور و معروف کتاب "تاریخ الخلفاء" میں کربلا کے حادثہ فاجعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے ہیں۔

لعن الله قاتله و ابن زیاد معهٗ و یزید ایضاً۔ (ص ۸۰ طبع میمنیہ ۱۳۰۵ھ)	اللہ تعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل پر لعنت کرے اور اسی کے ساتھ ابن زیاد پر اور یزید پر بھی۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ محض اپنے فضل سے ہماری اس حقیر سی کوشش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ایمان کے ساتھ اہلِ بیت و صحابہ کرام کی محبت پر ہمارا خاتمہ فرمائے، آمین یارب العالمین۔

الٰہی بحقِ بنی فاطمہ
کہ بر قولِ ایماں کنم خاتمہ

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات، ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم وتب علینا انك انت التواب الرحیم

محمد عبد الرشید نعمانی

پنج شنبہ ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ